تدبّر

زیر نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

تدبر

مارچ 1995ء | شمارہ نمبر 49 | شوال 1415ھ

ترتیب

تذکرہ و تبصرہ

مغربی تہذیب کے چیلنج کا مقابلہ ——— خالد مسعود 3

تدبر قرآن

تفسیر سورہ النحل ——— خالد مسعود 7

تدبر حدیث

تعلیم و تعلم کے آداب (2) ——— امین احسن اصلاحی/سعید احمد 17

بدکاری کی سزا ——— امین احسن اصلاحی/سعید احمد 30

افادات فراہیؒ

سورہ کے اجزا ——— خالد مسعود 42

مقالات

قرآنی معیشت کے بعض بنیادی مسائل ——— عبدالعظیم اصلاحی 45

تبصرہ کتب

سقراط ——— لطیف چوہدری 56

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۷۸/= روپے

موضوعات: خدا کی ذات و صفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیر و شر۔ جبر و اختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اوّل ۹۹/= روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات

○ اسلامی قانون کی تدوین ۵۱/= روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۲۴۰/= روپے

○ تفہیمِ دین ۶۳/= روپے

موضوعات:

قرآنیات۔ تحقیقِ حدیث و سنت۔ فلسفۂ دین

اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲- فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰

فون - ۷۵۸۰۸۰۰

مجلس ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع: المطبعتہ العربیتہ لاہور
قیمت =/10 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ
خالد مسعود

مغربی تہذیب کے چیلنج کا مقابلہ

امت مسلمہ کو مغرب کی طرف سے آج جس چیلنج کا سامنا ہے اس کی طرف ہم نے تدبر کی گزشتہ اشاعت میں توجہ دلائی تھی۔ ہر حساس مسلمان اپنی کم مائیگی اور مغرب کی چیرہ دستیوں کے باعث فکرمند ہے کہ وہ اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت کس طرح کرے اور صورت حال کے مضرو مہلک اثرات سے آئندہ نسلوں کو بچانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرے۔ ہماری وزیر اعظم صاحبہ نے حال ہی میں اس بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔ وہ سنگاپور کے دورے پر گئیں تو وہاں فارچون گلوبل فورم سے کثیر قومی ایجنسیوں کے انتظامی سربراہوں کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اپنی پالیسیوں کی وضاحت کی اور فرمایا:

> "ہم پاکستان میں جن اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک نمونہ بن سکتے ہیں۔ پاکستان عالم اسلام کے لئے جو مثبت ماڈل پیش کر رہا ہے اس کے نہایت فیصلہ کن اثرات علاقائی سیاست، علاقائی معیشت اور علاقائی حکمت عملی پر پڑیں گے"۔

اس کے بعد مشرق وسطیٰ، جنوب مغربی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں بسنے والے ایک ارب مسلمانوں کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا:

> "وہ ماضی اور مستقبل میں سے ایک کو منتخب کرلیں۔ انہیں ترقی پسندی (PROGRESSIVISM) اور بنیاد پرستی (FUNDAMENTALISM) میں سے لازماً ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ انہیں علم اور جہل میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔ انہیں جدید ٹیکنالوجی اور قدیم گھٹن میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا"۔
>
> (روزنامہ دی نیشن لاہور 10 مارچ 1995ء)

وزیراعظم صاحبہ کا یہ ارشاد اہل وطن کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کے عزائم کو سمجھیں اور ان اقدامات پر نظر رکھیں جو وہ ان کی خیر خواہی میں ان کی بہبود کے لئے کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم صاحبہ کے خطاب سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس شعور کے ساتھ کام کر رہی ہیں کہ ان کی پالیسیاں دوسرے اسلامی ممالک کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گی، نیز ان کا گمان یہ بھی ہے کہ امت

مسلمہ ابھی تک ماضی سے اپنا تعلق توڑنے پر تیار نہیں ہو سکی جبکہ یہ ماضی جہالت اور گھٹن سے عبارت ہے۔ وہ امت کو اس گھٹن سے نجات دلانے کے لئے یہ ضروری سمجھتی ہیں کہ وہ بنیاد پرستی کو خیرباد کہے اور ترقی پسند بنے' ورنہ اس کا کوئی مستقبل نہیں۔ اخبارات میں یہ خبر بھی چھپی ہے کہ وزیراعظم صاحبہ نے ملک کے لئے ایک نئی ثقافتی پالیسی کی منظوری دی ہے۔ اس پالیسی کے خدوخال ابھی تک صیغہ راز میں ہیں لیکن ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں حد سے بڑھی ہوئی بے ہودگی اور بے حیائی اس راز سے پردہ اٹھاتی ہے۔ چند ہفتے قبل گورنر پنجاب الطاف حسین صاحب نے بھی قوم کو یہ نوید سنائی تھی کہ ہمارا معاشرہ سخت گھٹن کا شکار ہے اور حکومت اس کو اس گھٹن سے نجات دلانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔

عالم اسلام اور اہل مغرب کی آویزش کوئی نئی چیز نہیں۔ صدیوں پر محیط اس آویزش میں جب دو صدی قبل اہل مغرب کو غلبہ حاصل ہوگیا تو مسلمان زعماء نے صورت حال کے مقابلہ کے لئے دو مختلف تدابیر اختیار کیں۔ امت کے دینی عناصر نے حقائق سے آنکھیں بند کرکے ایک جامد رویہ اختیار کیا۔ اجتہاد کا عمل تو پہلے سے ہی معطل تھا' اب انہوں نے جدید علوم کو بھی شجر ممنوعہ قرار دے دیا۔ انہوں نے صدیوں پہلے تجویز کردہ دینی نصاب تعلیم کو تقدس کا درجہ دیا اور اس میں شمہ بھر تبدیلی پر بھی آمادہ نہ ہوئے۔ اس سے اہل دین میں تنگ نظری اور جدید مسائل سے بے گانگی پیدا ہوگئی۔ دنیا کبھی جامد نہیں ہوئی' اس کے قدم برابر آگے کو بڑھتے رہے' سائنسی ترقی کے ساتھ نت نئے مسائل نے جنم لیا۔ چونکہ اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے باعث لوگوں کو نئے مسائل میں دین کی روشنی میسر نہ آئی اس لئے عملی زندگی کے ساتھ دین کا تعلق کمزور ہوتا چلا گیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ لوگوں میں دین کا اسی طرح کا ایک محدود تصور قائم ہوگیا ہے جیسا مغرب میں کلیسا کے غلط رویہ کے باعث پیدا ہوا تھا۔ دنیاوی امور پر دین کی گرفت بے حد کم ہو گئی ہے حالانکہ اسلام میں دین اور دنیا کی یہ تفریق مطلوب نہ تھی۔ اسلام کو جسد بے روح بنانے میں ہمارے نزدیک دینی عناصر کی مذکورہ حکمت عملی کو بڑا دخل ہے۔

مغربی تہذیب کے چیلنج کے جواب میں دوسری تدبیر وہ تھی جو محدود پیمانے پر ہندوستان میں سرسید احمد خان نے اور بڑے پیمانے پر ترکی میں مصطفیٰ کمال نے اختیار کی۔ دوسرے مسلم ممالک میں بھی اس نقطہ نظر کے نمائندہ لوگ معروف ہیں۔ سرسید کا کہنا یہ تھا کہ امت مسلمہ کو ترقی کرنے کے لئے قدیم کو چھوڑ کر جدید کا انتخاب کرنا ہوگا۔ انہیں مغربی علوم سیکھنے اور مغرب کے طور طریقے اپنانے ہوں گے۔ مصطفیٰ کمال کو چونکہ ملک میں اقتدار حاصل تھا انہوں نے نہایت آمرانہ انداز میں مسلمانوں کا ان کے ماضی سے رشتہ توڑا' دینی علامات کو ختم کیا تاکہ مستقبل کو شاندار بنانے کی کوششوں میں وہ سدراہ ثابت نہ ہوں۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس تدبیر سے کیا مطلوبہ نتائج پیدا کئے

جاسکے؟ جہاں تک سرسید کا تعلق ہے ان کی زندگی ہی میں لوگوں کو شکایت ہوئی کہ ان کا ادارہ دین سے بے بہرہ ہی نہیں بلکہ ملحد افراد تیار کررہا ہے۔ جو طلبہ اپنے خاندانی اثرات کے تحت الحاد سے بچ گئے وہ بھی ملی جذبہ سے عاری محض قوم پرست مسلمان ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی تحریک کامیابی سے چلائی لیکن سیکولر ذہن کے باعث اس کو ایک اسلامی ملک بنانے پر بھی آمادہ نہ ہو سکے۔ جس کا نتیجہ یوں سامنے آیا کہ پاکستانی قوم آج مختلف عصبیتوں کی تنگ نائیوں میں پھنسی ہوئی ایک راہ گم کردہ قوم بن چکی ہے جو پریشان ہے کہ معلوم نہیں کل وہ کس انجام سے دوچار ہو جائے۔ مصطفیٰ کمال کی پالیسیوں نے بہادر و غیور ترک قوم کو مغرب کی نقالی پر مجبور کیا تو وہ اپنا دینی و قومی تشخص ہی کھو بیٹھی اور اس قابل بھی نہ ہو سکی کہ دنیاوی طور پر دوسری یورپی اقوام کے ہم پلہ ہو جائے اور ان کے فورم میں اپنے لئے ایک نشست ہی حاصل کرسکے۔ معلوم ہوا کہ نتائج کے اعتبار سے یہ تدبیر بھی ملت کو نقصان پہنچانے اور اسے ذلت و پستی میں دھکیلنے کا باعث بنی۔ ہماری وزیر اعظم آج اسی تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے اقدامات تجویز کررہی ہیں اور دوسرے مسلمان ممالک کے لئے اس کو ایک ماڈل کے طور پر پیش کررہی ہیں۔

ہماری رائے میں مسئلہ کا حل ان دونوں انتہاؤں کے مابین اعتدال کی راہ اختیار کرنا ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے اسلام اور مغربی تہذیب دو بالکل متضاد نظام حیات ہیں۔ مغربی تہذیب لامذہبیت کی پرچارک ہے۔ اگر کسی شخص میں مذہب کی امنگ ہو تو اس کو اس کے ایک ذاتی معاملہ کی حد تک برداشت کیا جاتا ہے۔ اس تہذیب کا مطمع نظر دنیاوی مفادات کا حصول اور خواہشات نفس کی آسودگی ہے۔ خدا اور آخرت کو اس نظام زندگی میں کوئی مقام حاصل نہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں اللہ کی وحدانیت' اس کے ساتھ ربط و تعلق اور تصور آخرت کو اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ اس نے فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے اخلاقی اقدار مقرر کردی ہیں اور انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کی تنظیم کے لئے احکام دیئے ہیں۔ اسلام میں دین اور دنیا کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں بلکہ اسلامی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والے شخص کی دنیاوی زندگی بھی دین قرار پاتی ہے۔ جب ایک مسلمان کسی دوسری تہذیب کو مکمل طور پر اپنا لیتا ہے تو وہ اپنا ملی تشخص کھو دیتا ہے۔ لہذا ہم مسلمان یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ دوسری تہذیبوں کے نقال بن جائیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کو ہر معاملہ میں اپنا رہنما بنائیں' ان کی عائد کردہ پابندیوں کو قبول کریں اور اس کے لئے دنیا کو سازگار بنانے کی خاطر دین کا علم زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ اسلام ہمیں ہر معاملہ میں جائز اور ناجائز میں امتیاز کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم اس اصول کو انفرادی معاملات ہی میں نہیں بلکہ دوسری تہذیبوں کو پرکھنے کے لئے بھی استعمال کریں اور دیکھیں کہ ان کا کتنا حصہ اسلامی اصولوں کے تحت قابل قبول اور کتنا حصہ رد کرنے کے قابل ہے۔ علی ہذا القیاس جدید علوم پوری

انسانیت کا سرمایہ ہیں۔ ہم ان کی تحصیل میں بخل سے کام نہ لیں۔ چونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ علوم لامذہبیت کے تناظر میں مرتب کئے گئے ہیں اس لئے ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ان میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حک و اضافہ کرکے ان کو اپنے لئے اور پوری انسانیت کے لئے مفید تر بنائیں۔ یہی ہمارے لئے ایمان و اسلام کے تحفظ کی راہ ہے' خواہ ہمارے مخالفین اس پر بنیاد پرستی کا لیبل لگائیں۔ ہمارے حکمرانوں پر بھی یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ نظریہ پاکستان۔۔۔ اسلام ___ سے بے وفائی کرکے وہ اس مملکت خداداد پر حکومت کا حق کھو دیں گے۔

بقیہ: تعلیم و تعلم کے آداب (۲)

صوفیوں کے ہاں دین کی بنیاد کتاب و سنت پر نہیں بلکہ رویا اور کشف پر ہے۔ اگر وہ کہہ دیں کہ آنحضرتؐ میرے پاس تشریف لائے تھے اور انہوں نے یوں نہیں بلکہ اس طرح فرمایا تو اپنے مریدوں کو تو وہ پھانس ہی لیں گے ہم اور آپ کیا کرسکتے ہیں۔

روایت کے اس ابتدائی حصہ پر جو کچھ محدثین نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے میں نے بڑے غور سے پڑھا ہے لیکن میں ان لوگوں کی باتوں کو کچھ نہیں سمجھ سکا۔ میں اپنا عجز تسلیم کرتا ہوں۔ روایت کا آخری ٹکڑا مسلم ہے اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

بقیہ: سقراط

استعمال کیا گیا ہے۔ مہنگائی کے اس دور میں کتاب کی قیمت مناسب ہے۔ کتاب میں پروف کی کچھ غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ صفحات 20' 22 پر یونان کے علاقہ آئیونیا کا ذکر ہوا ہے۔ اگر مصنف یہاں یہ وضاحت کردیتے کہ "یونان" اسی آئیونیا کی عربی شکل ہے تو قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ کتاب بڑی معلومات آفرین اور گراں قدر علمی کاوش ہے۔ یہ پڑھے جانے اور ہر لائبریری کی زینت بنائے جانے کے قابل ہے۔

(لطیف چوہدری)

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ النحل

امر الٰہی صادر ہو چکا ہے تو اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔ وہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں ○ وہ فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اتارتا ہے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے (1) کہ لوگوں کو آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی سے ڈرو ○ اس نے آسمانوں اور زمین کو غایت کے ساتھ پیدا کیا' وہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک گردانتے ہیں ○ اس نے انسان کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا تو وہ ایک کھلا ہوا حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوا ○ اور چوپائے بھی اس نے تمہارے لئے پیدا کئے جن کے اندر تمہارے لئے جڑاول (2) بھی ہے اور دوسری منفعتیں بھی اور ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو ○ اور ان کے اندر تمہارے لئے ایک شان بھی ہے جب کہ تم ان کو شام کو گھر واپس لاتے ہو اور جس وقت کہ ان کو چرنے کو چھوڑتے ہو ○ اور وہ تمہارے بوجھ ایسی جگہوں تک پہنچاتے ہیں جہاں تم شدید مشقت کے بغیر پہنچنے والے نہیں بن سکتے تھے' بے شک تمہارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے (3) ○ اور اسی نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ زینت بھی ہیں اور وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ○ اور اللہ تک سیدھی راہ پہنچاتی ہے اور بعض راہیں کج ہیں (4) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر کر دیتا ○(9)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا جس میں سے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے وہ نباتات بھی اگتی ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو ○ وہ اسی سے تمہارے لئے کھیتی' زیتون' کھجور' انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ بے شک اس کے اندر بہت بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچیں ○ اور اس نے رات اور دن' سورج اور چاند کو تمہاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم سے نفع رسانی میں لگے ہوئے ہیں' بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھیں (5) ○ اور زمین میں جو چیزیں تمہارے لئے گوناگوں قسموں کی پھیلائیں' بے شک اس میں بھی بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو یاد دہانی حاصل کریں ○ 13

اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ زیور نکالو جو تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس میں چیرتی ہوئی چلتی ہیں (تاکہ تم اس میں سفر کرو) اور اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم اس کے شکرگزار بنو ○ 14

اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال دیئے ہیں کہ وہ تمہیں لے کر جھک نہ پڑے اور نہریں جاری کر دی ہیں اور راستے نکال دیئے ہیں تاکہ تم راہ پاؤ ○ اور دوسری علامتیں بھی ہیں اور ستاروں سے بھی وہ راہ معلوم کرتے ہیں ○ 16

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے ان کے مانند ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے؟ تو کیا تم سوچتے نہیں (6) ○ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا احاطہ نہ کر سکو گے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے (7) ○ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو ○ اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے وہ تو خود مخلوق ہیں ○ مردہ غیر زندہ' اور ان کو احساس بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے ○ 21

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پر جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ گھمنڈ میں ہیں ○ لاریب خدا جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' وہ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا (8) ○ 23

اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے تو کہتے ہیں اگلوں کے فسانے' تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ میں سے بھی حصہ بٹائیں جن کو یہ بغیر کسی علم کے گمراہ کر رہے ہیں۔ جان رکھو کہ نہایت ہی برا ہوگا وہ بوجھ جو یہ اٹھائیں گے (9) ○ 25

ان سے پہلے والوں نے بھی چالیں چلیں تو خدا نے ان کی عمارت بنیاد سے اکھیڑ دی پس ان کے اوپر سے ان پر چھت آپڑی اور ان پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا ○ پھر قیامت کے دن اللہ ان کو رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کی حمایت میں تم لڑتے تھے۔ جن کو علم عطا ہوا وہ پکار اٹھیں گے کہ آج رسوائی اور بدبختی کافروں پر ہے ○ ان پر جن کو فرشتے اس حال میں وفات دیں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ سپر ڈال دیں گے کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کر رہے تھے (10)_ ہاں' بے شک اللہ اچھی طرح باخبر ہے اس سے جو تم کرتے رہے ہو ○ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو' اسی میں ہمیشہ رہنے والے بن کر۔ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا ○ 29

اور جو تقویٰ والے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خوب چیز اتاری ہے۔ جن لوگوں نے بھلائی کی راہ اختیار کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور دار آخرت تو اس سے کہیں بہتر ہے (11) اور کیا ہی خوب ہے اہل تقویٰ کا گھر ○ ابد کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے' ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' ان کے لئے ان میں وہ سب کچھ ہوگا جو چاہیں گے۔ اللہ اہل تقویٰ کو اسی طرح صلہ دے گا ○ ان کو جن کو فرشتے پاکیزہ

حالت میں وفات دیتے ہیں (12) وہ کہتے ہیں آپ لوگوں پر سلامتی ہو۔ جنت میں جا براجیے اپنے اعمال کے صلہ میں ○ 32

یہ لوگ تو بس اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرے رب کا حکم ہی آجائے (13)_ یہی روش ان سے پہلے والوں نے اختیار کی۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ○ تو ان کو ان کے کئے کی سزائیں پہنچیں اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے تھے اسی چیز نے ان کو گھیر لیا ○ اور جن لوگوں نے شرک کیا وہ کہتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے' نہ ہم نہ ہمارے آباؤ اجداد' اور نہ ہم اس کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ یہی رویہ ان سے پہلے والوں نے اختیار کیا (14) تو رسولوں پر واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ○ اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو تو ان میں سے کچھ کو اللہ نے ہدایت بخشی اور ان میں ایسے بھی ہوئے جن پر ضلالت مسلط ہو کے رہی۔ تو ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ کیا ہوا جھٹلانے والوں کا انجام ○ 36

اگر تم ان کی ہدایت کے حریص ہو تو اللہ ایسوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جن کو گمراہ کر دیتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں بنتا ○ 37

اور یہ پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے اللہ اس کو نہیں اٹھائے گا۔ ہاں' یہ اس کے اوپر ایک لازمی وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ یہ اس لئے ہے کہ یہ جس چیز میں اختلاف کر رہے ہیں اس کو وہ اچھی طرح واضح کردے اور تاکہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے (15) ○ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اتنا ہی ہمارا کہنا ہوتا ہے کہ ہم اس کو کہتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے ○ 40

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم ڈھائے گئے ہم ان کو دنیا میں بھی اچھی طرح متمکن کریں گے (16) اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے' کاش وہ جانیں ○ یہ ان مہاجرین کے لئے ہے جنہوں نے استقامت دکھائی اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ○ 42

اور ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو دلائل اور کتابوں کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے تو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے (17) ○ اور ہم نے تم پر یاد دہانی اتاری تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کردو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے تاکہ وہ غور کریں ○ 44

کیا وہ لوگ جو بری بری چالیں چل رہے ہیں اس بات سے نچنت ہیں کہ اللہ ان

کو دھنسا دے یا ان پر عذاب وہاں سے آدھمکے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو ○ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑلے تو وہ اس کے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے ○ یا ان کو عین اندیشہ کی حالت میں دھرلے۔ پس تمہارا پروردگار بڑا ہی شفیق و رحیم ہے ○ 47

کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کے سائے دہنے اور بائیں سے منقلب ہوتے ہیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے (18) اور ان پر فروتنی ہوتی ہے ○ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں جاندار ہیں اور فرشتے بھی۔ وہ سرتابی نہیں کرتے ○ وہ اپنے اوپر اپنے رب سے ڈرتے ہیں (19) اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم ملتا ہے ○ 50

اور اللہ نے فرمایا کہ دو معبود نہ بناتا' وہ ایک ہی معبود ہے تو مجھی سے ڈرو ○ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے تو کیا تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو ○ 52

اور تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے' پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے تم فریاد کرتے ہو (20) ○ پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے ○ تاکہ ناشکری کریں اس چیز کی جو ہم نے ان کو بخشی ہے تو چند روزہ عیش کرلو' عنقریب تم جان لوگے ○ اور جن کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں ان کا حصہ لگاتے ہیں ان چیزوں میں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں (21)_ خدا کی قسم! جو افترا تم کر رہے ہو اس کی تم سے پرسش ہونی ہے ○ 51

اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں' وہ ان چیزوں سے پاک ہے' اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں ○ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشی خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے ○ وہ اس منحوس خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھ چھوڑے یا اس کو مٹی میں دفن کردے۔ افسوس' کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں ○ بری تمثیل ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ کے لئے اچھی صفتیں ہیں (22)' وہ غالب اور حکیم ہے ○ 60

اور اگر اللہ لوگوں سے ان کی حق تلفی پر فوراً" مواخذہ کرتا ہوتا تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت معین تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے (23) تو جب ان کا وقت معین آجائے گا تو اس سے نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ○ 61

اور یہ اللہ کے لئے وہ چیز قرار دیتے ہیں جو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے لئے اچھا انجام ہے' لازما" ان کے لئے دوزخ ہے اور وہ اسی میں پڑے چھوڑ دیئے جائیں گے (24) ○ 62.

خدا کی قسم! ہم نے تم سے پہلے بھی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو شیطانوں نے ان کے اعمال

ان کی نگاہوں میں کھبا دیئے تو اب وہی ان کا رفیق ہے اور ان کے لئے ایک دردناک عذاب ہے ○ 63

اور ہم نے تم پر کتاب صرف اس لئے اتاری ہے کہ تم ان پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کردو جس میں وہ مختلف ہو گئے ہیں اور یہ ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں ○ 64

اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا (25) پس اس سے زمین کو زندہ کر دیا اس کے خشک ہو جانے کے بعد۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو بات کو سنتے ہیں ○ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں بھی بڑا سبق ہے۔ ہم ان کے پیٹوں کے اندر کے گوبر اور خون کے درمیان سے تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں' پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ○ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی' تم ان سے نشہ کی چیزیں بھی بناتے ہو اور کھانے کی اچھی چیزیں بھی۔ بے شک اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں (26) ○ 67

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر القا کیا کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو چھتیں اٹھاتے ہیں ان میں چھتے بنا ○ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس (27) پھر اپنے پروردگار کے ہموار راستوں پر چل۔ اس کے پیٹ سے مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں ○ 69

اور اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا' پھر وہی تم کو وفات دیتا ہے اور تم میں سے بعض ارذل عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں کہ جاننے کے بعد وہ کچھ نہ جانیں۔ بے شک اللہ ہی علم والا اور قدرت والا ہے ○ 70

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ برتری دے رکھی ہے تو جن کو برتری دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو نہیں دے دیتے کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں تو کیا وہ اللہ کے فضل کا انکار کرتے ○ 71

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا' تو کیا یہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ○ اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کے لئے آسمان سے کسی رزق پر اختیار رکھتی ہیں' نہ زمین سے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتی ہیں ○ تو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ بنایا کرو (30)_ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○ 74

اور اللہ مثال بیان کرتا ہے ایک غلام مملوک کی جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور اس کی جس کو ہم نے اپنی جانب سے اچھا رزق دے رکھا ہے جس میں سے وہ پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے' کیا یہ یکساں ہوں گے؟ شکر کا سزاوار اللہ ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اور اللہ مثال بیان

کرتا ہے دو شخصوں کی جن میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے اور وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے' جہاں کہیں بھی وہ اس کو بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا۔ کیا وہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ ایک سیدھی راہ پر ہے دونوں یکساں ہوں گے (31) ○ 76

اور آسمانوں اور زمین کا بھید اللہ ہی کے لئے ہے اور قیامت کا معاملہ بس آنکھ جھپکنے کی طرح یا اس سے بھی جلد تر ہوگا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ 77

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے سمع و بصر اور دل بنائے تاکہ تم شکر گزار بنو ○ 78

کیا انہوں نے پرندوں کو آسمان کی فضا میں مسخر نہیں دیکھا؟ ان کو بس اللہ ہی تھامے ہوئے ہوتا ہے۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں ○ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کا سکون پیدا کیا اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ اور قیام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کے اون' ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے تمہارے لئے گھریلو سامان اور ایک وقت تک برتنے کی چیزیں بنائیں (32) ○ 80

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس بنائے جو تمہاری جنگ میں تم کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی نعمت تمام کرتا ہے تاکہ فرمانبردار رہو (33) ○ 81

پس اگر وہ اعراض کریں تو تمہارے اوپر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے ○ یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر ان سے انجان بنتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں ○ 83

اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے' پھر جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے یہ فرمائش ہوگی کہ وہ خدا کو راضی کریں ○ اور جب وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہوگا' عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ وہ ان سے ہلکا ہی کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی ○ اور جب وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا ہے' اپنے شریکوں کو دیکھیں گے' پکاریں گے کہ اے ہمارے رب یہی ہمارے وہ شرکاء ہیں جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہے تو وہ ان پر بات پھینک ماریں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو (34) ○ اور وہ اس دن اللہ کے آگے سپر ڈال دیں گے اور جو کچھ وہ افترا کرتے رہے تھے وہ سب ہوا ہو جائے گا ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے بوجہ اس کے کہ وہ فساد مچاتے رہے ○ 88

اور یاد کرو جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ ان پر انہیں میں سے اٹھائیں گے اور تم کو

ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے (35) اور ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے ہر چیز کو کھول دینے کے لئے اور وہ ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے فرماں برداروں کے لئے ○ بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا اور ذوی القربیٰ کو دیتے رہنے کا اور روکتا ہے بے حیائی' برائی اور سرکشی سے (36) وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو ○ 90

مضمون: خدا کی نعمتیں ان گنت ہیں۔ منکرین ان کی ناقدری کرتے اور قرآن سے لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں۔ ان کا انجام عبرت ناک ہوگا۔ اللہ اپنے متقی اور خوب کار بندوں کا ساتھی ہے۔

1 روح سے مراد وحی الٰہی ہے جو رسول پر نازل ہوتی ہے اور رسول حق و باطل کے امتیاز کے لئے کسوٹی اور اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ رسول کی بعثت کے ساتھ ہی اس کے مکذبین کے لئے امر الٰہی صادر ہو جاتا ہے کہ ان کو کتنی مہلت حاصل ہے جس کے بعد ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔

2 جڑاول' یعنی چوپایوں کے بالوں اور اون سے بنے ہوئے لباس جو سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

3 یہ وہ اصل سبق ہے جو نعمتوں سے متمتع ہونے والے انسان کو حاصل ہونا چاہئے کہ وہ اپنے منعم کو پہچانے' اس کا شکر گزار بندہ بنے اور اس کے مقابل میں حریف بن کر نہ اٹھ کھڑا ہو۔

4 یعنی خدا نے اپنے تک پہنچنے کے لئے توحید کی سیدھی راہ کھولی ہے۔ اس میں کج پیچ اور پگ ڈنڈیاں نہیں ہیں۔ خدا نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان کسی کو حائل نہیں کیا ہے۔ ہر شخص سیدھی راہ کو اختیار کر کے اپنے رب تک پہنچ سکتا ہے۔

5 مطلب یہ ہے کہ خدا نے تو ان چیزوں کو تمہاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا رکھا ہے لیکن نادانوں نے انہی سورج' چاند' ستاروں کی پرستش شروع کر دی۔

6 یعنی ایک معقول آدمی کے اندر کم از کم جو بات ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ وہ معقول بات کو سنے اور سمجھے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور ہے۔ انسان کا اعلیٰ وصف یہ ہے کہ وہ کائنات میں تفکر کرے' اس لئے کہ اسی تفکر سے علم صحیح اور معرفت حقیقی کے دروازے کھلتے ہیں اور قرآن درحقیقت انسان کی اسی صلاحیت کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔

7 یعنی خدا کی بے شمار نعمتیں پانے کے باوجود تم اس کی ناشکری کرتے اور اس کے حقوق میں دوسروں کو شریک کرتے ہو۔ اپنی اس حرکت کے سبب سے تم سزاوار تو اس بات کے تھے کہ خدا تم کو فوراً ہر نعمت سے محروم کر دیتا لیکن وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے اس لئے اس نے مہلت دے رکھی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا کر توبہ اور اصلاح کرو اور اس کے غضب سے بچ جاؤ۔

8 مطلب یہ ہے کہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نعمتیں سب اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں لیکن وہ جان کر انجان بنتے ہیں۔ ان کے دل مانتے ہیں لیکن زبانیں انکار کرتی ہیں۔ وہ ایک باطل کو باطل جانتے ہوئے اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ سو اللہ ایسے مغروروں اور متکبروں کو مبغوض رکھتا ہے۔

-9 یہ ان متکبروں کی سازشوں اور شرارتوں کا حوالہ ہے جو وہ اپنے زیر اثر لوگوں کو قرآن کی دعوت سے روکنے کے لئے کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کا بھی جو ان کی مفسدانہ کوششوں سے گمراہ ہوں گے۔

-10 یعنی ان کافروں کا یہ سارا غرور اور سارا طنطنہ صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو موت کے فرشتوں سے سابقہ پیش نہیں آتا۔ جب وہ ان کی جانیں نکالیں گے تو پہلے ہی مرحلے میں ان کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور وہ جھوٹی معذرت پیش کریں گے کہ ہم پر رحم کیا جائے' ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے ہیں۔

-11 یہ ان متقین کے لئے صریح الفاظ میں اس دنیا میں بھی کامیابی و نصرت کی بشارت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اور اس کے ساتھیوں کے لئے اس دنیا میں بھی غلبہ اور اقتدار لازمی ہے۔

-12 پاکیزہ حالت سے مراد ان کا شرک و کفر کی ہر آلائش سے بالکل پاک اور منزہ ہونا ہے۔ ایسے لوگوں کو فرشتے سلام کرتے اور ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں جنت کی بشارت سناتے ہیں۔

-13 حکم سے مراد رسول کی تکذیب کے نتیجہ میں عذاب نازل ہونے کا حکم ہے جس کا مطالبہ مشرکین کرتے تھے۔

-14 یہ مشرکین کی کج بحثی کی ایک مثال ہے۔ وہ کہتے کہ ہم جن معبودوں کو پوجتے اور ان کے نام پر جن چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں یہ سب خدا ہی کی مرضی سے کرتے ہیں' ورنہ خدا کے اختیار میں تو سب کچھ ہے۔ اگر یہ کام اس کی مرضی کے خلاف ہوتے تو وہ ہمیں اپنی قدرت سے ان کاموں سے روک دیتا اور ہم ان میں سے ایک کام بھی نہ کر پاتے۔

-15 آخرت کے منکرین کی تردید میں فرمایا کہ اللہ لوگوں کو ضرور اٹھائے گا۔ یہ اس کا حتمی وعدہ ہے جس کو نبھانا اس نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے تاکہ لوگ دنیا میں جس اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اس میں امر حق کو واضح کیا جائے اور ان قسمیں کھانے والوں کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا جائے۔

-16 یہ حبشہ کو ہجرت کرجانے والے مسلمانوں کی تعریف ہے۔ ہر نقل مکانی کو ہجرت نہیں کہتے بلکہ ہجرت یہ ہے کہ جب آدمی کو اس کے دین کے معاملہ میں ستایا جائے تو وہ اپنے موقف حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہو' یہاں تک کہ اگر وہ اپنا محبوب وطن اور اپنا عزیز آشیانہ چھوڑ کر وہاں سے نکلنے اور دوسری سرزمین کو اپنی پناہ گاہ بنانے پر مجبور ہو جائے تو بھی وہ اللہ کے بھروسہ پر دامن جھاڑ کر اٹھ جائے اور اعتماد رکھے کہ اللہ اس کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔

-17 یعنی پہلے کے حاملین کتاب سے پوچھو تو وہ بھی بتائیں گے کہ انسانوں کے اندر منصب رسالت پر بشری فائز ہوتے رہے ہیں' فرشتے نہیں فائز ہوتے رہے ہیں۔ اور وہ دلائل اور صحیفوں کے ساتھ ہی آتے رہے ہیں' عذاب الٰہی لے کر نہیں آتے رہے ہیں۔

-18 یہ توحید کی ایک تکوینی دلیل بیان ہوئی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر بچھا رہتا ہے گویا وہ خدا کے آگے سجدہ میں ہے۔ یہ ایک لطیف اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ سایہ کی فطرت ابراہیمی ہے اور اس کو کواکب پرستی سے عار ہے۔

19 یعنی با ایں ہمہ قرب و اتصال خدا کی بارگاہ عالی سے فرشتوں کا مقام بہت نیچے ہے۔ وہ اپنے اوپر خدا سے برابر ڈرتے رہتے ہیں' ناز اور تدلل کے فتنہ میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے۔

20 یہ توحید کی ایک انفسی دلیل بیان ہوئی ہے کہ جتنی نعمتیں بھی تمہیں حاصل ہیں سب اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں اور جب کبھی تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم خدا ہی کو پکارتے ہو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اصل فطرت کے اندر صرف ایک ہی خدا کا شعور ودیعت ہے۔

-21 مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کو محض وہم و گمان کی بناء پر انہوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں میں ان کے نام کے حصے بھی نکالتے ہیں۔

-22 یعنی اللہ کی طرف تو وہ چیزیں منسوب کرتے ہیں جن کو خود اپنے لئے بری سمجھتے ہیں اور اپنے لئے اچھے انجام کے مدعی ہیں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اللہ کے لئے اعلیٰ صفتیں ہیں اور آخرت کے منکروں کے لئے بری تمثیل۔

-23 کفر و شرک اور نافرمانی کے باوجود لوگوں کو مہلت اس لئے دی جاتی ہے کہ جس کو توبہ و اصلاح کرنی ہو وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر توبہ و اصلاح کرلے ورنہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھرلے۔

-24 مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں ایک مرتبہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے اس طرح چھوڑ دیئے جائیں گے کہ پھر ان کی خبر بھی نہیں لی جائے گی۔

-25 آگے کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں میں سے کچھ کو گنا کر مشرکین کو ملامت کی ہے کہ ان میں سے کس نعمت کو وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرسکتے ہیں۔

-26 مذکورہ نشانیوں میں قیامت اور بعث و نشر نیز خالق کائنات کی قدرت و رحمت کی دلیلیں ہیں لیکن ان سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو بات کو کان کھول کر سنتے' اس کو سمجھتے اور قبول کرتے ہیں۔

-27 مراد وہ القا ہے جو ہر مخلوق کو اپنے اندر کی ودیعت کردہ صلاحیتیں استعمال کرنے کے لئے خالق کی طرف سے ہوا ہے۔ شہد کی مکھی اسی القا کے مطابق اپنی جبلت کی رہنمائی میں پوری سرگرمی کے ساتھ مصروف کار رہتی ہے۔

-28 قدرت اس سے یہ حقیقت ثابت کرنا چاہتی ہے کہ علم و عقل اور قدرت و اختیار سب خدا ہی کا عطیہ ہے۔ اس لئے اس پر فخر و غرور جائز نہیں بلکہ خدا کا شکر واجب ہے۔

-29 یعنی انسانی فطرت کا حال تو یہ ہے کہ جن کو رزق میں برتری حاصل ہے وہ اپنی دولت لوگوں میں بانٹ کر ان کے برابر نہیں ہونا چاہتے لیکن خدا کے متعلق تم نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا اپنی مخلوق میں بانٹ کر خود اس کی سطح پر آگیا ہے۔

-30 شرک کے بیشتر دروازے خدا کو اپنے اوپر یا دنیاوی بادشاہوں کے اوپر قیاس کر کے اس کی صفتیں بیان کرنے سے کھلے ہیں۔ یہاں اس سے منع کر کے شرک کے فتنہ کے اس دروازے کو بند کر دیا۔ فرمایا کہ اپنی جو صفتیں خدا بیان کرتا ہے ان کو مانو اور ان پر ایمان لاؤ۔

31 دونوں تمثیلوں میں خدا کی قدرت اور اختیار اور اس کی مخلوقات کی عاجزی و بے بسی میں تقابل ہے۔ ان دونوں کو یکساں قرار دینا ذہنی کجی کی دلیل ہے۔ صحیح سوچ رکھنے والے اس حقیقت کو پاجاتے ہیں کہ

شکر کا سزاوار صرف اللہ ہے۔

32- یہ نشانیاں ہیں اس بات کی کہ کائنات کا خالق رحمان و رحیم ہے۔ اس نے جو چیز بھی پیدا کی اس کو ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں اور ان کے استعمال کا سلیقہ عطا فرمایا۔ پس یہ کائنات ایک ہی خدا وحدہ لا شریک کے تصرف میں ہے۔

33- یعنی جب روز مرہ زندگی کی ان عام چیزوں میں سے بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو تم خدا کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر سکو تو خدا کے سوا تم دوسروں کو کیوں پوجتے ہو۔ آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں۔ پھر تو تمہیں بالکلیہ اپنے آپ کو خدا ہی کے حوالے کرنا چاہئے۔

34- مشرکین کا یہ کہنا کہ یہی ہیں ہمارے شریک جن کو ہم تیرے سوا پکارتے رہے ہیں' اپنے آپ کو بری ٹھہرانے کے لئے ہوگا کہ اصلی مجرم یہ ہیں جن کے سبب سے ہم گمراہ ہوئے۔ وہ جھٹ بولیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ ہمیں کیا خبر کہ تم ہمیں پکارتے رہے ہو۔ اگر تم اس حماقت و جہالت میں مبتلا رہے ہو تو ذمہ داری سرتاسر تمہاری ہے۔ ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم خدا کو چھوڑ کر ہمیں پکارو۔

35- قیامت کے روز ہر امت پر گواہ اس کے رسول کو بنایا جائے گا۔ وہ گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا دین لوگوں کو پہنچا دیا تھا۔ اہل عرب پر یہ گواہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے۔

36- یہ قرآنی اوامر و منہیات کی بنیادیں بیان ہوئی ہیں۔ عدل ہر کسی کے حق واجب کا ادا کرنا ہے۔ احسان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ حق کی یہ ادائیگی نہایت کریمانہ اور فیاضانہ ہو۔ رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ ان پر فیاضی سے خرچ کیا جائے۔ بے حیائی کے کاموں میں بدکاری سرفہرست ہے۔ برائی میں وہ تمام کام شامل ہیں جو معروف اور عقل کے نزدیک پسندیدہ طریقہ کے خلاف ہوں۔ سرکشی یہ ہے کہ آدمی اپنی قوت و طاقت اور اپنے زور و اثر سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور اس سے دوسروں کو دبانے کی کوشش کرے۔ ان سب کی تفصیل اگلی سورہ میں بیان ہوئی ہے۔

درس قرآن

ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے زیر اہتمام درس قرآن ہر جمعہ کو صبح 9 بجے برمکان سعید احمد صاحب عقب الائیڈ بنک' 9- وحدت روڈ لاہور پر ہوتا ہے

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

تعلیم و تعلم کے آداب (2)

(صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روایات)

باب 74- عظة الامام النساء و تعلیمهن

امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور دین کی تعلیم دینا۔

97 **حد ثنا سلیمان بن حرب قال ثنا شعبة عن ایوب قال سمعت عطاء ابن ابی رباح قال سمعت ابن عباس قال اشهد علی النبی صلی الله علیه وسلم اوقال عطاء اشهد علی ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج و معه بلال فظن انه لم یسمع النساء فوعظهن وامرهن بالصدقة فجعلت المراة تلقی القرط و الخاتم و بلال یاخذ فی طرف ثوبه وقال اسمعیل عن ایوب عن عطاء قال ابن عباس اشهد علی النبی صلی الله علیه وسلم**

ترجمہ ______ ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شہادت دیتا ہوں یا عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ میں ابن عباس پر شہادت دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپؐ کے ساتھ بلالؓ تھے۔ آپ کو گمان یہ ہوا کہ عورتوں تک آپؐ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تو آپ نے ان کو الگ سے نصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کی ہدایت کی۔ عورتوں نے یہ کیا کہ اپنے کانوں کی بالیاں اور انگوٹھیاں نکال نکال کر دینے لگیں اور بلالؓ اپنے کپڑے کے پلو میں جمع کرتے رہے۔

وضاحت: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام یا امیر یا حاکم کا یہ کام بھی ہے کہ وہ براہ راست لوگوں کو تعلیم دے۔ اصل میں ساری ذمہ داری اس کی ذات میں مرتکز ہوتی ہے تو ہر کام کا کچھ نہ کچھ مظاہرہ اس کو کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام سب خلفاء اور خود آنحضرتؐ کرتے رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے عورتوں کو صدقے کی تلقین کی تو انہوں نے بڑی فیاضی دکھائی۔ عورتیں اس معاملے میں واقعی بڑی فیاض تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے زیور اتار اتار کر صدقہ کی مد میں دے دیئے۔

باب 75- الحرص علی الحدیث
حدیث کے لئے حرص کرنا۔

98- حد ثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال حد ثنی سلیمان عن عمرو بن ابی عمرو عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی ھریرہ انہ قال قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسعد الناس بشفاعتک یوم القیامۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد ظننت یا ابا ھریرۃ ان لا یسئلنی عن ھذا الحدیث احد اول منک لما رایت من حرصک علی الحدیث اسعد الناس بشفاعتی یوم القیمۃ من قال لا الہ الا اللہ خالصا من قلبہ او نفسہ

ترجمہ ____ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ سب سے زیادہ خوش بخت آپ کی شفاعت کے معاملے میں قیامت کے دن کون ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو ہریرہؓ حدیث کی حرص جو تم رکھتے ہو اس کو دیکھتے ہوئے میرا گمان یہی تھا کہ کوئی دوسرا اس بارے میں تم سے پہلے یہ سوال نہیں کرے گا۔ سب سے زیادہ خوش بخت میری شفاعت کے معاملے میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو اپنے دل و جان سے **لا الہ الا اللہ** کے خلوص کے ساتھ۔

وضاحت: روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والے خود حضرت ابو ہریرہؓ تھے اس لئے مجہول کے صیغہ قیل سے روایت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ "اسعد" عربی میں تفضیل کا صیغہ ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا چنانچہ آنحضرتؐ نے جواب میں یہ فرمایا کہ جو لوگ **لا الہ الا اللہ** کا اعتراف خلوص دل سے کریں گے وہ سب سے زیادہ خوش قسمت ہونگے۔

اس روایت میں مشکل یہ ہے کہ اس میں محمد رسول اللہ کے اعتراف کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اگر **لا الہ الا اللہ** کا اعتراف کرے لیکن محمد رسول اللہ کا اعتراف نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اسعد الناس ہیں تو کچھ اور لوگ بھی ہوں گے جو اس سے کم تر درجہ میں ہوں گے اور ان کو بھی شفاعت نصیب ہوگی۔ اس سے نیچے کا درجہ تو یہ ہے کہ وہ **لا الہ الا اللہ** بھی نہیں کہیں گے تو کیا ان کے لئے بھی آنحضرتؐ شفاعت کریں گے' جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنے کافر چچا ابو طالب کے لئے شفاعت کریں گے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ جو لوگ خلود فی النار کے مستحق ہوں گے صرف وہ شفاعت کے ذریعے جہنم سے نکالے جائیں گے اور امت کے گنہ گاروں کی کوئی حد ہی نہیں جن کے متعلق آنحضرتؐ

اطاعت کریں گے۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور نہ آپ پر ایمان رکھیں وہ صرف **لا الہ الا اللہ** کہنے سے شفاعت کے حقدار ہو جائیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ **لا الہ الا اللہ** کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی سمجھا جائے گا تو آخر راوی نے اس کو کیوں حذف کردیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی رسالت کے بارے میں بھی یقیناً" فرمایا ہوگا کیونکہ توحید کے بعد آپ اپنی رسالت کو رکھتے تھے لیکن یہ حصہ اس روایت میں غائب ہوگیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں محمد رسول اللہ کے الفاظ موجود ہیں۔ امام بخاریؒ کو چاہئے تھا کہ وہ ان روایات کو لیتے نہ کہ اس روایت کو۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے وہ روایات امام صاحب کے معیار پر پوری نہ اترتی ہوں تو میں کہتا ہوں کہ سند کے معیار سے زیادہ جب مفہوم معیار پر پورا اترتا تھا تو امام صاحب کو وہ روایت لینی چاہئے تھی۔ اس مخدوش روایت کو مرجوح قرار دینا چاہئے تھا۔

شفاعت سے متعلق جو ضابطہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ یا کوئی بھی کسی کی شفاعت نہ کرسکے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے اور وہ بھی صرف اسی شخص کے حق میں جس کے لئے اللہ تعالیٰ اجازت دے۔ نیز یہ بھی ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں اضافہ نہیں کرسکے گا اور نہ ہی یہ جرات کرسکے گا کہ اس کے حضور کوئی غلط بات کہے۔ میرے نزدیک یہ روایت قرآن مجید کے منافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے بغیر کوئی شخص آپؐ کی شفاعت کا حقدار اور اسعد الناس کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ بات کہ شفاعت ہوگی قرآن مجید میں ہے۔ سورۃ مائدہ میں ہے کہ خدا قیامت کے دن تمام انبیاء سے پوچھے گا کہ تم نے اپنی امتوں کو کیا پیغام پہنچایا تھا تو وہ کہیں گے کہ جو پیغام ہمیں دیا گیا تھا وہ ہم نے پہنچا دیا تھا۔ لوگوں نے ہمارے بعد کیا جھک ماری اس کا ہم کو علم نہیں۔ اس کے بعد ایک ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی امت کے حق میں شفاعت نقل کردی ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ اگر تو ان کی ٹھکائی کرے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو علیم و حکیم ہے۔ صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کی اسی طریقے سے شفاعت کریں گے۔

انبیاء کی شفاعت کے علاوہ ایک دوسری شفاعت بھی ہے جو ہم آپ سب مومنین و مومنات کے لئے دعا کی صورت میں کرتے ہیں۔ یہ ہماری طرف سے اپنے بھائیوں کی شفاعت ہوتی ہے' اس لئے کہ ہمارے اوپر ان کا حق ہے۔

شفاعت کے معنی تائید کرنے کے ہیں۔ ایک آدمی نیکی کا کام کررہا ہو تو آپ اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن ایک شخص اگر کچھ کرتا کراتا ہی نہیں اور آپ اس کے وکیل بنے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ اس کو کانوں سے پکڑ کر ادھر پھینکو۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی شخص بھی اس

پوزیشن میں نہیں ہوگا کہ یہ کہہ سکے کہ حضور والا' آپ اس سے واقف نہیں ہیں۔ میں اس کو خوب جانتا ہوں' بڑا ہی اچھا بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے اس کو پیدا کیا' اس کو رزق دیا' ایک ایک سانس عطا کیا' تم مجھ سے زیادہ اس کو جانتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ علم ہے جو محیط کل ہے' کوئی شخص اس میں اضافہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے ایسی شفاعت جو حقیقت کے برعکس ہو بالکل بے معنی ہوگی۔ آنحضرتؐ کے متعلق یہ عقیدہ کہ آپ شفیع المذنبین ہیں' جو چاہو کرو وہ بخشوا لیں گے' کسی بنیاد پر قائم نہیں۔ آپؐ کے لئے رحمۃ للعالمین کی صفت آئی ہے' شفیع المذنبین کی صفت مجھے کہیں نہیں ملی۔ لیکن ہمارے ہاں اب اصل اعتماد اسی صفت پر کیا جانے لگا ہے۔

باب 67- کیف یقبض العلم و کتب عمر ابن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشو العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا۔

ترجمہ ____ علم کس طرح اٹھالیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ہیں ان کو لکھ رکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے رخصت ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اور دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہ کرنا۔ لوگ علم کو پھیلائیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے ان کو علم سکھانے کے لئے مجالس قائم کریں۔ یاد رکھو کہ علم فنا نہیں ہوگا جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔

وضاحت: علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کو ملا۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ علماء نہیں رہیں گے تو علم ایسی چیز بن جائے گا جو نادر ہوگی۔ کوئی اس کو جاننے والا نہ ہوگا۔ اس صورت میں یہ مٹ جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کو' جو مدینہ کے قاضی تھے' یہ ہدایت فرمائی کہ علم کو مرتب کرو اور لوگوں میں پھیلاؤ تاکہ یہ سربستہ راز بن کر نہ رہ جائے اور اس طرح تلف نہ ہو جائے۔ علماء کو چاہئے کہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مجالس قائم کریں۔

امام بخاریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس اثر کو روایت نمبر 99 کے طور پر بھی درج کیا ہے۔

100- حدثنا اسمعیل بن ابی اویس قال حدثنی مالک عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رووسا

جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا قال الفربری نا عباس قال نا قتیبۃ قال حدثنا جریر عن ہشام نحوہ

ترجمہ ____ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کرے گا کہ علم کو بندوں سے چھین لے بلکہ ہوگا یہ کہ علماء کو واپس بلانے سے علم اٹھالیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب علماء نہیں رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے مسئلہ پوچھیں گے۔ وہ فتوے بغیر علم کے دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ علم کو اٹھا لینے کی شکل یہ نہیں ہوگی کہ اس کو لوگوں کے سینوں سے نکال لیا جائے بلکہ علماء اٹھا لئے جائیں گے جس کے نتیجہ میں جاہل لوگ ان کی مسند سنبھال لیں گے وہ خود تو گمراہ ہوں گے ہی' دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ وہ زمانہ تو آئے گا ہی لیکن اس وقت بھی یہ حال ہے کہ کثرت علماء نے علم کو غائب کر دیا ہے۔ زور خطابت میں ان کو فعل' فاعل' مفعول کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ وہ عالم بنا ہوا ہے کہ خیر اسی میں ہے کہ دم بخود ہو کر کسی گوشے میں جا بیٹھیں۔ ان جاہلوں کے منہ لگنا اپنی دنیا اور عاقبت دونوں کو خراب کرنا ہے۔ روایت کی عبارت میں کچھ جھول معلوم ہوتا ہے۔ صحیح عبارت یوں ہوگی **اتخذ الناس جھالا رووسا** (لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے)

باب 77- ھل یجعل للنساء یوم علی حدہ فی العلم
کیا عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک دن مقرر کرنا ضروری ہے؟

101 **حدثنا ادم قال نا شعبۃ قال حدثنی بن الاصبھانی قال سمعت ابا صالح ذکوان یحدث عن ابی سعید الخدری قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما" من نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن وامرھن فکان فیما قال لھن ما منکن امراۃ تقدم ثلثۃ من ولدھا الا کان لھا حجابا" من النار فقالت امراۃ واثنین فقال واثنین**

ترجمہ ____ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا کہ مردوں نے آپؐ پر قبضہ جمالیا ہے۔ آپؐ اپنی طرف سے ہماری تعلیم کے لئے ایک خاص دن مقرر فرما دیں۔ آپؐ نے ایک دن مقرر کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس دن میں آپؐ ان سے ملے اور ان کو وعظ کیا اور ان کو تلقین کی۔ آپؐ نے ان سے جو کچھ فرمایا اس میں یہ ارشاد بھی تھا کہ تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جو اپنے تین بچوں کو خدا کے سپرد کر چکی ہو کہ وہ اس کے لئے دوزخ سے آڑ نہ

ہیں۔ ایک خاتون نے کہا کہ اگر کسی کے دو ہی ہوں تو آپؐ نے فرمایا دو بھی۔

وضاحت : سبحان اللہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ میرے خیال میں یہ ان بچوں سے متعلق ہے جو سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گئے ہوں یا گناہ کرنے کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔ خاتون کے سوال کرنے پر آپؐ نے دو بچوں کے متعلق بھی تین والا ہی معاملہ ہونے کی بشارت دی کہ وہ بھی حجاب کا کام دیں گے گو اتنا بڑا حجاب نہ ہو جتنا تین کا۔ بہرحال حجاب وہ بھی بنیں گے۔

102- **حد ثنی محمد بن بشار قال ثنا غندر قال ثنا شعبة عن عبدالرحمن بن الاصبهانی عن ذکوان عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھذا وعن عبد الرحمن بن الاصبهانی قال سمعت ابا حازم عن ابی ھریرۃ قال ثلثة لم یبلغوا الحنث۔**

ترجمہ ــــــ ذکوان ابو سعید سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت کرتے ہیں۔ عبدالرحمان بن اصبہانی سے روایت میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حازم کو سنا کہ ابو ہریرہؓ یہ کہتے تھے کہ تین ایسے بچے ہوں جو ابھی گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔

وضاحت ــــــ روایت کا مضمون وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یہاں حضرت ابو ہریرہؓ نے وضاحت کی ہے کہ صرف وہی بچے مراد ہیں جو ابھی جوان نہ ہوئے ہوں کہ ان کو گناہ کا شعور ہو گیا ہو۔

باب 78- من سمع شیئا" فلم یفھمہ فراجعہ حتی یعرفہ

جس نے کوئی بات سنی اور نہ سمجھی تو وہ مراجعت کر کے سمجھ لے۔

103- **حد ثنا سعید بن ابی مریم قال انا نافع ابن عمر قال حد ثنی ابن ابی ملیکة ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا تسمع شیئا" لا تعرفہ الا راجعت فیہ حتی تعرفہ وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حوسب عذب فقالت عائشة فقلت اولیس یقول اللہ عزوجل فسوف یحاسب حسابا" یسیرا قالت فقال انما ذالک العرض ولکن من نوقش الحساب یھلک۔**

ترجمہ ــــ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ جب کوئی بات ایسی سنتی تھیں جو سمجھ میں نہیں آتی تھی تو اس کے بارے میں رجوع کر کے سمجھ لیتی تھیں۔ (ان کے عمل کی شہادت یہ ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا حساب ہوا وہ تو مارا گیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں کہ "اس کا حساب بہت ہلکا اور آسان ہوگا"۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ تو پیشی کا ذکر ہے اور جس کے حساب میں کھوج کرید کی گئی وہ مارا گیا۔

وضاحت : باب کا عنوان ایک فطری بات پر مشتمل ہے۔ آدمی اگر کسی کی بات نہیں سمجھتا تو ظاہر ہے کہ وہ کہنے والے سے دوبارہ پوچھے گا لیکن امام صاحب نے اس بات کو روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حضرت عائشہؓ کی سمجھ میں نہیں آئی تو انہوں نے حضورؐ سے وضاحت چاہی۔

قیامت کے روز محاسبہ کے وقت ایک تو وہ لوگ ہوں گے جن کے نیکی کے اعمال بکثرت اور بدی کے معمولی ہوں گے۔ وہ پیش تو ہوں گے لیکن ان کے لئے کہا جائے گا کہ ان کو جنت میں لے جاؤ۔ بس پیشی ہی ان کا حساب ہوگی۔ ان کا چھٹکارا نہایت آسانی سے ہو جائے گا۔ دوسرے وہ بدقسمت ہوں گے جن کے اعمال کا دفتر ہی سیاہ ہوگا۔ ان سے پوچھ گچھ ہوگی کہ فلاں کام کرتا تھا کیوں نہیں کیا۔ فلاں فریضہ عائد کیا گیا تھا اس کو کیوں ادا نہیں کیا گیا۔ یہ دغا بازی کی گئی اور وہ گناہ کیا گیا۔ جب حساب کتاب میں پوچھ گچھ شروع ہوگی تو ایسے لوگوں کا معاملہ خطرے میں ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید کی آیت کی بنا پر سوال کیا تھا۔ آپؐ نے وضاحت فرما دی کہ میرا اشارہ دوسری قسم کے لوگوں کی طرف تھا اور یہ آیت پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں ہے۔

باب 79- لیبلغ العلم الشاھد الغائب قالہ ابن عباس عن النبی ﷺ

جو شخص مجلس میں حاضر ہو اس پر لازم ہے کہ جو لوگ حاضر نہ ہوں ان تک علم کی باتیں پہنچادے۔ یہ بات ابن عباس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔

104- **حد ثنا عبداللہ بن یوسف قال حد ثنا اللیث قال حد ثنی سعید ھو ابن ابی سعید عن ابی شریح انہ قال لعمرو بن سعید وھو یبعث البعوث الی مکة ائذن لی یا ایھا الامیر احد ثک قولا قام بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغد من یوم الفتح سمعتہ اذ نای ووعاہ قلبی وابصرتہ عینای حین تکلم بہ حمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ان مکة حرمھا اللہ ولم یحرمھا الناس فلا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الاخر ان یسفک بھا دما ولا یعضد بھا شجرۃ فان احد ترخص لقتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا فقولوا ان اللہ قد اذن لرسولہ ولم یاذن لکم و انما اذن لی فیھا ساعة من نھار ثم عادت حرمتھا الیوم کحرمتھا بالامس و لیبلغ الشاھد الغائب فقیل لابی شریح ما قال عمرو قال انا اعلم منک یا ابا شریح لا تعیذ عاصیا ولا فارا بدم**

ولا فارا بخربۃ۔

ترجمہ ____ سعید بن ابی سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عمرو بن سعید مکہ کو دستے بھیج رہے تھے تو ابو شریح نے ان کو کہا کہ اے امیر' اگر اجازت ہو تو میں آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناؤں جو آپؐ نے ٹھیک فتح مکہ کی اگلی صبح کو فرمایا' جس کو میرے اپنے کانوں نے سنا' میرے اپنے دل نے سمجھا اور میری دونوں آنکھوں نے خود دیکھا ہے۔ جس وقت آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا تو پہلے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر آپؐ نے فرمایا کہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے محترم بنایا ہے' اس کو لوگوں نے محترم نہیں بنایا۔ پس کسی شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ اس میں خونریزی کرے اور نہ اس کو اس کے درخت کاٹنے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کو مکہ میں جنگ کی دلیل بنائے تو اس کو یہ جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی لیکن تم کو اس کی اجازت نہیں دی اور یہ بھی بتا دینا کہ مجھے بھی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) ایک دن کے کچھ حصے میں اجازت دی گئی۔ پھر اس کی حرمت اسی طرح پلٹ آئی جیسے کہ پہلے تھی۔ ساتھ ہی آپؐ نے فرمایا کہ جو لوگ حاضر نہیں وہ ان لوگوں کو یہ بات پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ ابو شریح سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید کا ردعمل کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ عمرو کا جواب یہ تھا کہ ابو شریح میں تم سے زیادہ واقف ہوں۔ حرم کا یہ کام نہیں کہ گنہ گاروں' خون ریزی کر کے اور لوٹ مار کا مال لے کر بھاگنے والوں کو پناہ دے۔

وضاحت: عمرو بن سعید مدینہ کے گورنر تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزید بن معاویہؓ کی بیعت نہ کی اور مکہ میں اپنی حکومت قائم کر لی تو عمرو بن سعید نے ان کو مکے سے بے دخل کرنے کے لئے دستے بھیجے۔ اس موقع پر حرم میں خونریزی کے امکان کے پیش نظر ابو شریح نے امیر مدینہ کو اس عمل کی سنگینی پر متنبہ کرنا چاہا۔ یہ روایت اس موقع کی ہے۔ جو کچھ ہوا وہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں شیطان نے لوگوں کو چکر میں ڈال دیا اور تاریخ کا بہت بڑا حادثہ رونما ہوگیا۔ مکہ پر فوج کشی کے بارے میں اہل علم کی آرا الگ الگ ہیں۔ بعض لوگ عمرو بن سعید کے موقف کو درست سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے عبداللہ بن زبیرؓ کے موقف کو صحیح سمجھتے ہیں۔ بہر حال روایت سننے کے بعد امیر مدینہ نے ابو شریح کو یہ جواب دیا کہ مکہ کی حرمت کے مسئلہ کو میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ حرم اس لئے نہیں کہ کوئی کسی کو قتل کر کے' یا لوٹ کا مال لے کر اس میں پناہ لے لے تو ہم اس کو پناہ دے دیں۔

روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس خطبہ کا حوالہ ہے یہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر دیا۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ صرف چند قریشی لیڈروں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے

کے ساتھ جھڑپ لی اور شکست کھائی۔ اس خونریزی پر بھی آنحضرتؐ بے حد ملول ہوئے۔ اسی فوج کشی کے بارے میں خطبہ میں آپؐ نے فرمایا کہ میرے لئے کچھ وقت کے لئے مکہ کی حرمت اٹھائی گئی۔

امام صاحب نے اپنی خصوصیت کے مطابق اس چیز پر باب باندھا ہے جو روایت کا ادنیٰ حصہ ہے لیکن علم کے حصول کے سلسلہ میں یہ بھی اہم بات ہے۔ ہر شخص اپنے دائرے اور حدود میں اس کا ذمہ دار ہے کہ دین کی جو بات اس کے علم میں آچکی ہے وہ دوسروں تک پہنچا دے۔

[illegible] **حدثنا عبداللہ بن عبدالوھاب قال ثنا حماد عن ایوب عن محمد عن ابی بکرۃ ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فان دماء کم و اموالکم قال محمد و احسبہ قال و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ہذا فی شہرکم ہذا الا لیبلغ الشاہد منکم الغائب وکان محمد یقول صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذالک الا ھل بلغت مرتین۔**

ترجمہ ____ ابی بکرہ سے روایت ہے کہ مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چلا تو آپؐ نے فرمایا' تمہارا خون' تمہارا مال اور محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ آپؐ نے کہا تمہاری عزت و آبرو تمہارے اوپر حرام ہیں' جس طرح یہ دن تمہارے لئے محترم ہے اس مہینے میں۔ سن لو کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا کہ کیا میں نے پہنچا دیا؟

وضاحت: یہ حجۃ الوداع کے خطبہ سے متعلق ہے۔ باقی چیزیں راوی نے حذف کر دی ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ جان' مال' عزت و آبرو کو حرمت حاصل ہے۔ چونکہ بعض چیزوں کا نفسیاتی اثر بہت زیادہ ہوتا ہے' جیسا کہ عربوں میں اشہر حرم کی حرمت دلوں میں مستقل بیٹھی ہوئی تھی اور ہر خاص و عام کو ان کی قدوسیت کا علم تھا' اس لئے آپ نے جان و مال و آبرو کی حرمت کو شہر حرم کی حرمت سے تشبیہ دی۔ جس چیز کا احساس لوگوں میں زیادہ ہو اس سے تشبیہ دینے سے معاملہ کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے اور بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

باب 80- اثم من کذب علی النبی ﷺ
جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے اس کے گناہ کا انجام

[illegible] **حدثنا علی بن الجعد قال انا شعبۃ قال اخبرنی منصور قال سمعت ربعی بن حراش یقول سمعت علیا یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی فانہ من کذب علی فلیلج النار۔**

ترجمہ ــــــ ابن حراش کہتے ہیں کہ میں نے علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو میری طرف کوئی جھوٹ منسوب نہ کرنا کیونکہ میرے اوپر جس کسی نے جھوٹ بولا تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔

وضاحت: جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی وہ بات آپؐ کی طرف منسوب کردی جائے تو یہ آپؐ کے اوپر تہمت تراشنے کے مترادف ہے۔ ایسے مفتری شخص کو آگ میں داخل ہونا ہوگا۔ فلیلج اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن معنی میں خبر کے ہے یعنی یہ کہ وہ لازماً" دوزخ میں پڑے گا۔ امر کے صیغے میں بیان کرنے کا فائدہ اس انجام کو قطعیت کے ساتھ بتاتا ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کردے تو اس سے بڑا کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبر کی بات شریعت کا حکم ہوتا ہے۔ ایک غلط بات کو ایک موکد حکم کے طور پر پیش کرنے سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اور اس طرح دین کو مسخ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے ایسا کرنے کی ممانعت ہے اور اس حرکت پر سخت عذاب کی وعید ہے۔

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ " کذب علی " ممنوع ہے' " کذب لہ " ممنوع نہیں۔ یعنی اگر آپ دین کی حمایت میں کوئی جھوٹ تراشیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ صوفیوں نے جھوٹی روایتوں کا انبار لگا دیا۔ کذب لہ کے تحت انہوں نے فضائل' ثواب اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو اللہ کے دین کی حمایت کے لئے وضع کرکے سارے اخلاقیات کا تیا پانچا کر دیا۔ اسلام کا مزاج معتدل ہے۔ اس میں انہوں نے رھبانیت کو گھسا دیا' برہمنیت بھی گھسیڑ دی اور افلاطونیت بھی۔ سب سے زیادہ اخلاقیات کو مسخ کیا۔ فی الجملہ ان لوگوں میں کوئی زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ لے دے کے امام غزالی ہیں۔ ان کو بھی پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل امین بھی ان کے بتائے ہوئے معیار پر پورا نہیں اتر سکتے۔ جھوٹی اور فضول روایات ہر باب میں لاکر اخلاقیات کا معیار اتنا اونچا بتا دیتے ہیں کہ اس پر نہ خود لکھنے والے اور نہ ہی کوئی اور پورا اتر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ میرے نزدیک کذب لہ کا یہ فلسفہ سب سے بڑا کذب علیٰ ہے۔ تو جس نے دین کو اس طرح مسخ کیا' وہ دوزخ میں پڑے گا۔

-107 **حد ثنا ابو الولید قال ثنا شعبتہ عن جامع بن شداد عن عامر بن عبد اللہ بن زبیر عن ابیہ قال قلت لزبیرانی لا اسمعک تحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما یحدث فلان و فلان قال اما انی لم افارقہ ولکن سمعتہ یقول من کذب علی فلیتبوا مقعدہ من النار۔**

ترجمہ ــــــ عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زبیرؓ سے پوچھا کہ میں آپ کو اس طریقے سے رسول اللہ سے روایت کرتے نہیں سنتا جس طرح کہ فلاں اور فلاں

صاحب روایت کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بھائی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہیں چھوڑی لیکن یہ بات میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو میرے اوپر جھوٹی تہمت لگائے گا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

وضاحت: اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے اس ارشاد کے بعد لوگ بہت محتاط ہو گئے تھے کہ مبادا کوئی بات ایسی نکل جائے جو بالکل وہی نہ ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور اس پر مواخذہ ہو جائے۔ حضرت زبیرؓ کی اس بات میں یہ چوٹ بھی ہے کہ جو لوگ زیادہ بیان کرتے ہیں ان کے متعلق میری رائے اچھی نہیں۔

108- **حد ثنا ابو معمر قال ثنا عبد الوارث عن عبد العزیز قال انس انہ لیمنعنی ان احد ثکم حدیثا کثیرا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تعمد علیّ کذبا فلیتبوا مقعدہ من النار۔**

ترجمہ ــــــ انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے جو چیز حدیث کی زیادہ روایت کرنے سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمداً" میرے اوپر جھوٹ لگایا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

وضاحت: اس روایت میں عمداً" کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے روایت کرنے میں غلطی ہوگئی' آپ نے ایسا کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو یہ غلطی اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے کچھ کم غلطیاں نہیں ہوئیں' بہت ہوئی ہیں۔ راوی جتنے بھی ہیں سب بالمعنی روایت کرتے ہیں اور یہ بہت مشکل ہے کہ روایت بالمعنی میں ٹھیک ٹھیک مطلب ادا ہو جائے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بات کچھ تھی اور نقل کہاں گئی۔ روایت بالمعنی کا ایک اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ ہر راوی اپنے ذوق کے مطابق کلام کا جتنا ضروری سمجھتا ہے اتنا ہی روایت کرتا ہے۔ چونکہ ہر کلام کا ایک مخصوص موقع اور پس منظر ہوتا ہے' اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا موقع سے اس کو ہٹا کر ایک کلیدی اصول بنالیا جائے تو اس سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث الائمتہ من القریش کا ایک محل تھا۔ آنحضرتؐ نے یہ بات انصار کے مقابل میں ایک قضیہ کے طے کرنے کے لئے فرمائی تھی۔ کچھ لوگوں نے اس کو ایک اصول بنا دیا جس سے بہت سی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ روایت بالمعنی میں یہ بھی ہوتا ہے کہ روایت کے بعض ضروری اور لازمی حصے چھوڑ دیئے جاتے ہیں تو اس سے بھی بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

109- **حد ثنا المکی بن ابراھیم قال حد ثنا یزید بن ابی عبید عن سلمتہ ھوا بن الاکوع قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار۔**

ترجمہ ____ سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

وضاحت: یہ بھی وہی چیز ہے جو اوپر والی روایت میں ہے۔ صرف الفاظ کا فرق ہے کذب علی اور یقل علی ما لم اقل میں کچھ فرق نہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ آنحضرتؐ کی طرف وہ بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی کیونکہ آنحضرتؐ کی حیثیت شارع کی ہے اور آپ کا فرمانا واجب الاطاعت ہے۔ کسی دوسرے کی بات کی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی۔

110- حدثنا موسی قال حدثنا ابو عوانۃ عن ابی حصین عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تسموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی ومن رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی ومن کذب علی متعمدا " فلیتبوا مقعدہ من النار۔

ترجمہ ____ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ اختیار کرو' اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا اور جس نے مجھ پر قصدا " جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

وضاحت: اس روایت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ اس میں تین ٹکڑے ہیں اور تینوں بالکل الگ الگ ہیں۔ ایک سلسلے کا کلام معلوم نہیں ہوتا۔ امام مسلمؒ نے بھی اس روایت کو لیا ہے لیکن صرف اس کا آخری ٹکڑا ہی لیا ہے۔ یعنی من کذب علی سے آخر تک۔ یہ حصہ معروف بھی ہے اور مسلم بھی۔ یہ پوری روایت صرف امام بخاریؒ نے لی ہے۔ اگر پہلے دو ٹکڑے اس میں شامل تھے تو امام مسلمؒ نے کیسے حذف کر دیئے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔ آپؐ نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ اس بات کو صرف شوافع مانتے ہیں لیکن مالکیہ اور جمہور فقہا جن میں امام ابو حنیفہ بھی شامل ہیں' کا کہنا یہ ہے کہ اس حکم کا تعلق آنحضرت کی زندگی تک تھا۔ اس کے بعد یہ منسوخ ہوگیا۔ اگر کنیت رکھنے کی ممانعت آنحضرتؐ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھی اور اس کے بعد یہ بات نہیں رہی تو یہ چیز محمدؐ کے نام پر بدرجہ اولیٰ صادق آتی ہے۔ پھر آپ نے کنیت پر کنیت رکھنے کو کیوں روکا۔ اس کی توجیہ جمہور فقہا یہ کرتے ہیں کہ یہود شرارت سے ایک دوسرے کو یا ابا القاسم کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بالکل کمزور سی توجیہ ہے۔ لیکن جب جمہور فقہا خود ہی اس حکم کو آپؐ کی زندگی کے بعد منسوخ مانتے ہیں تو مجھے تردید کرنے کی ضرورت نہیں۔

روایت کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا " فقد رانی حقا " تو اس نے مجھی کو دیکھا۔ اس ٹکڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کیا اس کے لئے صحابیت کا مقام پیدا ہو جائے گا؟ اور اگر دیکھا اور کچھ باتیں بھی کرلیں تو کیا وہ تعلیم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تسلیم کرلی جائے گی؟ بالفرض اس میں ایسی باتیں بھی ہوں جن سے قرآن اور حدیث میں اضافہ یا کمی ہوتی ہو تو کیا یہ بھی مان لیا جائے گا۔ ایک بہت بڑے عالم کا قصہ مجھے یاد ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے فرمایا دیکھنا جی میرے فلاں بدعتی دوست کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں نے ان صاحب سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو یہ فرما گئے ہیں کہ بدعت جو کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور خود وہاں بیٹھے بدعتیوں کو سلام کہلوا رہے ہیں۔ یہ کیا انقلاب ہوا۔ میں نے کہا اس قسم کے خواب بیان کرنے سے ہمیں معاف ہی رکھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ بہت ہی سادہ لوح اللہ والے لوگ ہیں۔ بعض یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ خواب میں تشریف لائے اور بشارت دی کہ تمہاری کتاب مقبول ہوگئی۔ بعد میں اس بشارت نے اشتہار کا کام کیا۔ اس اشتہار بازی میں بڑے بڑے لوگوں کے نام آتے ہیں۔

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ شیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ آپؐ کا اختصاص ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں' صرف آپؐ کا سراپا کتابوں میں پڑھا ہے۔ اس سراپا کو پڑھ کر کوئی ماہر سے ماہر مصور بھی تصویر کشی کرے گا تو وہ یقیناً " اصل سے مختلف ہو جائے گی۔ میں نے اس کو بہت غور سے پڑھا ہے لیکن کچھ آئیڈیا نہیں ہوتا۔ کچھ الفاظ نفی کے اور کچھ اثبات کے استعمال ہوئے ہیں جن کی روشنی میں کئی شکلیں فرض کی جا سکتی ہیں۔ اگر ہم خواب میں کوئی شکل دیکھتے ہیں تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ یہ اصل ہے یا نقل۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ شیطان آپ کی شکل پر متمثل نہیں ہو سکتا لیکن یہ تو نہیں کہ آپؐ کے نام پر کوئی چھل فریب بھی نہیں دے سکتا۔ اس بات کی آپؐ نے نفی نہیں فرمائی۔ شیطان کسی دوسری شکل میں آکر کہے کہ میں تمہارا نبی ہوں۔ آپ نیک آدمی ٹھہرے۔ خوش ہو کر کہیں گے کہ کچھ ارشاد فرمایئے۔ اب یہ بشارت ملے گی کہ آپ کی کتاب مقبول ہوگئی۔ میرے نزدیک یہ روایت بہت پیچ و خم والی ہے۔ اس کو قبول کرنے میں بڑے خطرے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲ پر

امین احسن اصلاحی

بدکاری کی سزا

(موطاء امام مالک کی کتاب الحدود کی روایات)

حدثنی مالک عن ابن شهاب عن عبید الله بن عبد الله بن عتبه بن مسعود عن عبد الله بن عباس انه قال: سمعت عمر بن الخطاب یقول الرجم فی کتاب الله حق علی من زنی من الرجال والنساء اذا احصن اذا قامت البینه او کان الحبل او الاعتراف۔

ترجمہ :- عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں فی الواقع موجود ہے' ان کے لئے جو مردوں میں سے زنا کریں یا عورتوں میں سے' بشرطیکہ وہ محصن ہوں۔ یہ سزا دی جائے گی جب ان کے خلاف دلیل موجود ہو یا حمل پایا جائے یا اعتراف جرم ہو۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن سلیمان بن یسار عن ابی واقد اللیثی ان عمر بن الخطاب اتاه رجل و هو بالشام فذکر له انه وجد مع امراته رجلا فبعث عمر بن الخطاب ابا واقد اللیثی الی امراته یسالها عن ذالک و عندها نسوة حولها فذکر لها الذی قال زوجها لعمر بن الخطاب و اخبرها انها لا تواخذ بقوله و جعل یلقنها اشباه ذالک لتنزع فابت ان تنزع و تمت علی الاعتراف فامر بها عمر فرجمت۔

ترجمہ :- ابو واقد اللیثی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب شام میں تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے ذکر کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو (غیر حالت میں) پایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابو واقد اللیثی کو اس کی بیوی کے پاس بھیجا کہ اس سے معاملہ دریافت کریں۔ وہ اس عورت کے پاس آئے تو دوسری عورتیں اس کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ابو واقد نے وہ ساری بات اس عورت کو بتائیں جس کا ذکر حضرت عمرؓ سے اس کے شوہر نے کیا تھا۔ انہوں نے اس کو بتایا کہ محض شوہر کے قول پر وہ پکڑی نہیں جائے گی۔ وہ اس سے اسی طرح کی باتیں کرتے رہے تاکہ وہ اپنے قول سے منحرف ہو جائے لیکن عورت نے ایسا نہیں کیا اور اعتراف پر قائم رہی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ رجم کر دی گئی۔

وضاحت :- ان دو روایتوں سے معلوم ہوا کہ زنا کے جرم کے ثبوت کے لئے ضروری ہو گا کہ یا

عورت حاملہ ہو تو اس کا حمل بھی زنا کی واقعاتی شہادت پیش کرے گا۔ جرم ثابت ہونے پر مجرم پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

جہاں تک رجم کی سزا کے قرآن میں بیان ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت 33 میں قتلوا تقتیلا کے الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ ان میں تقتیل کا مفہوم ہے نہایت بری طرح قتل کرنا۔ ظاہر ہے کہ ایک مجرم کو سنگسار کر کے قتل کرنا اسی قبیل کی ایک سزا ہے۔

لیکن جہاں تک زنا کی حد کا تعلق ہے وہ سورہ نور کی آیت 2 میں ہر زانی کے لئے سو کوڑے ہی بیان ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ صحیح مسلم کتاب الحدود کے باب حد الزنا کی روایت ہے:۔

عن عبادہ بن الصامت قال کان نبی الله صلی الله علیه وسلم اذا انزل علیه کرب لذلک و تربد له وجهه قال فانزل علیه ذات یوم فلقی کذلک فلما سری عنه قال خذوا عنی فقد جعل الله لهن سبیلا الثیب بالثیب والبکر بالبکر الثیب جلد مائته ثم رجم بالحجارة والبکر جلد مائته ثم نفی سنته

عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کو اس کی تکلیف محسوس ہوتی اور آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا۔ فرماتے ہیں ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ کی یہی کیفیت ہوئی۔ جب اس کا اثر زائل ہوا تو آپ نے فرمایا مجھ سے حکم حاصل کرو' عورتوں کے لئے اللہ تعالٰی نے راہ نکال دی ہے۔ مجرم شادی شدہ ہوں یا کنوارے۔ شادی شدہ کے لئے سو کوڑے کی سزا ہے پھر رجم۔ کنواروں کے لئے سو کوڑے کی سزا پھر ایک سال کی جلا وطنی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی کو بھی پہلے جرم پر تو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی لیکن اگر اس نے اپنی روش نہ بدلی تو جرم کے اعادہ پر اس کو رجم کر دیا جائے گا' جبکہ کنوارے مجرم کے لئے جرم کے اعادہ پر جلا وطنی کی سزا دی جائے گی' جس کی آج کل کے دور میں عملی شکل سال بھر کے لئے جیل بھیجنا ہے۔

میرے نزدیک احصان (شادی شدہ ہونا) مناط حکم نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو رجم کروایا ان میں سے سب سے زیادہ مفصل بیان ماعز کے رجم کا ہے۔ یہ معاملہ اتفاقی جرم زنا کا معاملہ نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے رجم کی سزا ماعز کو سورہ مائدہ کے حکم کے تحت ایک محارب کی سزا دی۔ افسوس ہے کہ روایات میں زنا کے دوسرے واقعات نہایت مجمل بیان ہوئے ہیں اس لئے ان مجرموں کے اصل حالات کے بارے میں کوئی بات یقین سے کہنا مشکل ہے۔

ابو واقد لیثی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو نہ صرف شوہر نے دوسرے مرد کے ساتھ حالت غیر میں دیکھ لیا تھا بلکہ یہ معاملہ دوسری عورتوں کے علم میں بھی تھا۔ ابو واقد نے جا

کر اطمینان کیا کہ عورت نے واقعی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ انھوں نے اعتراف جرم کے نتائج سے بھی آگاہ کیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ سزا سے بے خبر ہو اور اسے ایک معمولی معاملہ سمجھ رہی ہو۔

حدثنی مالک عن یحی بن سعید عن سعید بن المسیب انه سمعه یقول: لما صدر عمر بن الخطاب من منی اناخ بالا بطح ثم کوم کومة بطحاء ثم طرح علیها رداء و استلقی ثم مدیدیه الی السماء فقال اللهم کبرت سنی' و ضعفت قوتی' وانتشرت رعیتی' فاقبضنی الیک غیر مضیع ولا مفرط ثم قدم المدینه فخطب الناس فقال ایها الناس قد سنت لکم السنن و فرضت لکم الفرائض و ترکتم علی الواضحه الا ان تضلوا بالناس یمینا و شمالا و ضرب باحدی یدیه علی الاخری ثم قال ایاکم ان تهلکوا عن ایه الرجم یقول قائل لا نجد حدین فی کتاب الله فقد رجم رسول الله صلی الله علیه وسلم و رجمنا والذی نفسی بیده لولا ان یقول الناس زاد عمر بن الخطاب فی کتاب الله تعالی لکتبتها الشیخ والشیخه فارجموها البته فانا قد قراناها۔

ترجمہ:- یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب کو کہتے سنا کہ حضرت عمرؓ جب منیٰ سے لوٹے تو ابطح میں اونٹنی کو بٹھایا' پھر بطحاء میں کنکریوں کا ایک ڈھیر سا بنایا' پھر اس پر اپنی چادر ڈالی اور ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی اے رب میں بوڑھا ہو گیا' میری قوت کمزور ہو گئی' رعایا بہت پھیل گئی' اب تو مجھے اٹھا لے اس حالت میں کہ میں ضائع کرنے والا نہ بنوں اور نہ ہی کوتاہی کرنے والا (یعنی میں کچھ پانے کا متوقع نہیں ہوں' لیکن مجھے دینا نہ پڑ جائے)۔ پھر مدینہ آئے تو آپ نے خطبہ دیا اور کہا' لوگو تمھارے لئے سنتیں مقرر اور فرائض فرض کر دیئے گئے ہیں اور تم ایک واضح راستے پر چھوڑے گئے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم داہنے بائیں مڑ کر لوگوں سمیت گمراہ ہو جاؤ۔ پھر انھوں نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا' پھر فرمایا خبردار کہ تم رجم کی آیت سے غافل ہو جاؤ اور کہنے والا کہے کہ ہم تو دو "حدیں" کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ پھر انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے رجم کیا اور قسم ہے اس ذات کی جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ اگر لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ عمرؓ نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کیا ہے تو میں اس آیت کو اس میں لکھ دیتا "الشیخ والشیخه فارجموها البته" (شیخ اور شیخہ کو لازماً "پتھر مارو) کیونکہ ہم نے یہ آیت پڑھی ہے۔

وضاحت:- زانی کے لئے رجم کی سزا کا موقع و محل اوپر کی روایات کے تحت حضرت عبادہ بن الصامت والی حدیث کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ سزا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی زیر بحث آئی تو انھوں نے لوگوں کو تلقین فرمائی کہ فرائض و سنن واضح ہو چکے ہیں۔ ان کو مضبوطی سے تھامو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

زیر بحث روایت کے آخری حصہ میں جس آیت رجم کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف محل نظر ہے۔ اس کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

(ا) قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ جن آیات کا حکم کالعدم کر دیا گیا اور ان کی جگہ دوسری آیات نازل کر دی گئیں' ان کو بھی قرآن میں باقی رکھا گیا ہے' لیکن یہاں عجیب معاملہ ہے کہ جس آیت کا حکم باقی ہے اس کو نکال دیا گیا حتیٰ کہ اکابرین امت کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ لوگ اس کے حکم کو کہیں بھول نہ جائیں۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ایک آیت نازل ہونے کے بعد منسوخ کر دی گئی تو یہ اس بات کا ثبوت ہوا کہ رجم کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ کر دیا گیا' ورنہ اس کو نکالنے کی مصلحت سمجھ میں نہیں آتی۔

(ب) اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا اس بات کی کوئی اور نظیر بھی ہے کہ کسی آیت کو ختم کرنے کے باوجود اس کا حکم برقرار رکھا گیا ہو تو جواب ملتا ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں' صرف یہی ایک آیت ہے کہ جس کو غیر متلو کر دیا گیا ہے' سوال یہ ہے کہ کیا بڈھے زانیوں ہی کی یہ اہمیت تھی کہ ان کے بارے میں ایک خاص آیت نازل کر کے پھر غیر متلو کر دی گئی۔ جبکہ غیر متلو کر دینے میں یہ خطرہ بہرحال موجود ہے کہ اس میں کمی بیشی کر دی جائے' حالانکہ وحی متلو کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے۔

(ج) قرآن مجید کے متعلق ہم سب کا ایمان ہے کہ یہ اپنی حجت میں سب سے کامل درجے پر ہے۔ اس کو اگر کوئی چیز منسوخ کر سکتی ہے تو وہ اسی کے پائے کی ہونی لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناسخ اور منسوخ دونوں کو قرآن میں رکھنا ضروری ہوا۔ اس نکالی ہوئی آیت کو آپ وحی غیر متلو بھی مان لیں تو یہ وحی متلو کے پائے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ایسی چیز قرآن کے حکم کی ناسخ کیسے مانی جا سکتی ہے۔

(د) کفار نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ جب تک قرآن میں ان کی مرضی کی ترمیم نہیں کی جاتی وہ اس کو ماننے کے نہیں' تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا کہ ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی (مجھے کیا حق ہے کہ میں اپنے جی سے اس کو بدل ڈالوں) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں تھا۔ پھر اگر یہ کتاب اللہ کی آیت تھی تو اس کو اس میں سے نکالا کس نے؟ اور جب نکال دی گئی تو اس کا حکم کس بنیاد پر باقی رہ گیا؟ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں ترمیم کا حق نہیں رکھتے تھے تو ان کے ایک امتی کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس کی خواہش کرتے؟

(ہ) جس عبارت کو قرآن کی آیت کہا جاتا ہے اس کی زبان کو دیکھئے۔ کیا کوئی سلیم المذاق آدمی اس کو قرآن کی زبان کہہ سکتا ہے۔ اس کو تو قول رسول بھی نہیں مانا جا سکتا۔ یہ کسی ملا کی زبان

معلوم ہوتی ہے۔ لفظ شیخ کا اطلاق بڑے بوڑھے پر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہذا بعلی شیخا (یہ میرے میاں تو بڑے بوڑھے ہیں) جس مفہوم کے اظہار کے لئے آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس بڑی عمر میں مرد جنسی تعلق پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ شیخہ کا استعمال بڑی بوڑھی کے لئے بے حد شاذ ہے۔ ان الفاظ سے از خود یہ مفہوم بھی نہیں نکلتا کہ وہ بوڑھے شادی شدہ بھی ہیں جبکہ روایت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ شادی شدہ زانیوں پر رجم کی حد لاگو ہوگی۔ پھر عربی زبان کے اسلوب میں' البکر بالبکر اور الثیب بالثیب کہیں گے' البکر بالبکرہ اور الثیب بالثیبہ نہیں کہیں گے۔ اس اسلوب پر یہاں بھی صحیح عبارت کا تقاضا یہ تھا کہ الشیخ بالشیخ آتا نہ کہ الشیخ والشیخہ۔

(و) اس وحی غیر متلو کا حال یہ ہے کہ اس کی عبارت پر راویوں کا اتفاق ہی نہیں۔ دوسری کتابوں میں جو روایت آئی ہے اس میں واذا زنیا' کے الفاظ زیادہ ہیں۔ موطا کی اس روایت میں یہ لفظ تک بھی نہیں آئے۔

(ز) حد رجم کو اگر قرآن سے ثابت کرنا تھا تو اس کا حکم مطلق ہونا چاہئے تھا جس سے معلوم ہو سکتا کہ تمام شادی شدہ زانیوں کی سزا رجم ہے۔ اس عبارت میں رجم کو بڑے بوڑھوں کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس سے رجم کے لئے عام حکم کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

میرے نزدیک رجم کا حکم سورہ مائدہ میں ہے اور اس کو عادی زانیوں یا مرکب جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر نافذ کیا جا سکتا ہے۔ زنا کی عام حد' کنوارے اور شادی شدہ دونوں قسم کے مجرموں کے لئے' سو کوڑے ہی ہے۔ جہاں تک اس روایت کی 'آیت رجم' کا تعلق ہے' میرے نزدیک حضرت عمرؓ کے ساتھ اس کو منسوب کرنا ایک سازش کے تحت ہوا۔ شیعہ حضرات کا یہ مشن ہے کہ وہ قرآن مجید کی محفوظیت کو مشکوک ثابت کریں۔ اگر وہ اس میں کمی بیشی ثابت نہ کریں تو ان کا کام نہیں چلتا کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیات جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حق میں تھیں' ان کو حضرات ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے العیاذ باللہ کتاب اللہ سے نکال دیا تھا۔

پھر یہ لوگ حضرت عمرؓ کو بھی متہم کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کی نسبت لوگوں سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔ وہ اگرچہ جانتے تھے کہ ایک آیت وہ پڑھتے رہے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں لیکن لوگوں کے ڈر سے انھوں نے اس کو قرآن میں لکھوانے کی جرات نہ کی۔

حدثنی مالک انہ بلغہ ان عثمان بن عفان اتی بامراۃ قد ولدت فی ستۃ اشھد فامر بھا ان ترجمہ فقال لہ علی بن ابی طالب لیس ذالک علیھا ان اللہ تبارک و تعالی یقول فی کتابہ: و حملہ و فصالہ ثلاثون شھرا' وقال والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعتہ' فالحمل یکون ستۃ اشھد فلا رجم علیھا' فبعث عثمان بن عفان فی اثرھا فوجدھا قد

رجمت

ترجمہ:۔۔۔ امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے ایک عورت کو پیش کیا گیا جس نے چھ ماہ میں ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ آپؓ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اس پر رجم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ بچے کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ ہیں اور یہ کہ بچوں کی مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس شخص کے لئے جو رضاعت کی تکمیل چاہتا ہو۔ اس طرح حمل کے صرف چھ ماہ بنتے ہیں لہٰذا اس عورت پر رجم نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس عورت کے پیچھے آدمی بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ رجم کر دی گئی تھی۔

وضاحت: یہ روایت امام مالکؒ کے بلاغات میں سے ہے اور ان کی اکثر بلاغات وہ ہیں جن کے پیچھے ابن شہاب چھپے ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ ان سے حسن ظن رکھتے تھے لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ ابن شہاب پر شیعیت کا شبہ کیا جاتا ہے اس لئے وہ ان کو اپنی بلاغات کے پردے میں چھپا لیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ روایت بھی حضرت عثمانؓ کے اوپر حضرت علیؓ کی فضیلت کی غرض سے گھڑی گئی ہے۔ یہ بات قابل یقین نہیں کہ حضرت عثمانؓ بغیر تحقیق کے محض ناواقفیت کی بنا پر ایک بے گناہ عورت کو رجم کرا دیں۔ یہ ابن شہاب کی شرارت ہے جس کا مقصد حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنا ہے۔

ماجاء فیمن اعترف علی نفسہ بالزنا

اس شخص کے بارے میں جس نے اپنے متعلق زنا کا اعتراف کرلیا۔

حدثنی مالک عن زید بن اسلم ان رجلا اعترف علی نفسہ بالزنا علی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسوط فاتی بسوط مکسور' فقال فوق ھذا فاتی بسوط جدید لم تقطع ثمرتہ' فقال دون ھذا فاتی بسوط قد رکب بہ ولان فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجلد' ثم قال ایھا الناس قد ان لکم ان تنتھوا عن حدود اللہ من اصاب من ھذہ القاذورات شیا" فلیستتر بستر اللہ فانہ من یبدلنا صفحتہ نقم علیہ کتاب اللہ

ترجمہ: ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے متعلق زنا کا اعتراف کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کوڑا منگوایا۔ کوڑا جو لایا گیا وہ ٹوٹا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اس سے بہتر لاؤ۔ ایک نیا کوڑا لایا گیا جس کے پھل کی تیزی ابھی کند نہیں ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس سے کمتر لاؤ۔ پھر ایک کوڑا لایا گیا جس کو سواری میں استعمال کیا جا چکا تھا اور وہ نرم ہو گیا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا تو وہ کوڑا مارا گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے لوگو اب تمہارے لئے وقت آ گیا ہے کہ اللہ کی حدود کی خلاف ورزی سے باز رہو اور جو شخص اس طرح کی گندگی میں مبتلا ہو جائے کہ وہ

اللہ کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائے۔ لیکن جو شخص اپنی گردن ہمارے سامنے تانے لگا تو ہم اللہ کی حدود اس پر جاری کریں گے۔

وضاحت: ایک بات تو اس روایت میں یہ ہے کہ کوڑا۔ درمیانہ ہونا چاہئے۔ نہ بالکل نیا ہو اور نہ ہی زیادہ استعمال شدہ کہ ٹوٹنے کے قریب ہو۔ ہمارے ہاں جیلوں میں جو کوڑا استعمال ہوتا ہے وہ خاص طریقے کا بنوایا جاتا ہے اس کو باقاعدہ تیل دیا جاتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا کوڑا اسلام میں مطلوب نہیں ہے۔ عام کوڑا ہونا چاہئے۔ آنحضرتؐ نے کوڑا منگوایا تو وہ ٹوٹا ہوا تھا۔ آپؐ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ دوسری دفعہ بالکل تازہ شاخ سے بنایا گیا کوڑا لایا گیا۔ جس طرح چاقو یا تلوار کی دھار کو پھل کہتے ہیں۔ اسی طرح نئے کوڑے کی تیزی کو پھل کہتے ہیں۔ جوہری نے ثمر سے کوڑے کے کنارے کی گرہیں مراد لی ہیں۔ یہ گرہیں بس کی گانٹھ ہوتی ہیں۔ حافظ عبدالبرؒ نے جو وضاحت کی ہے وہ ٹھیک ہے کہ جس کوڑے کو استعمال نہ کیا گیا ہو اور وہ نرم بھی نہ ہوا ہو بلکہ تازہ دم کوڑا ہو اس کو آپؐ نے نہیں مانا اور ایسا کوڑا استعمال کیا جو بیچ کی راس تھا۔ یہ چابک گھوڑے پر استعمال ہو چکا تھا اور اس میں نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جیلوں میں جو لوگ کوڑے ~~لے~~ لگانے پر مامور ہیں وہ کوڑا زنی کی مشق کرتے ہیں، جس طرح کہ فوجی مشقیں کرتے ہیں۔ یہ چیز بھی شریعت کے خلاف ہے۔ کوڑا مارنے کے لئے کسی مشاق پہلوان کو نہیں بلایا جائے گا۔ حاکم یا سزا دینے کا ذمہ دار شخص کسی بھی آدمی کو جو سامنے موجود ہو اس کو حکم دے دے گا۔ کہ تم مجرم کو اتنے کوڑے لگادو۔ صدر اول میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ مجرموں کو کوڑے لگاتے تھے لیکن انہوں نے اس کی کوئی ٹریننگ نہیں لی ہوئی تھی۔

کوڑا لگانے کے بارے میں یہ ہدایت بھی ہے کہ مارتے وقت بغل نمایاں نہ ہو یعنی کوڑا زیادہ نہ اٹھایا جائے تاکہ متوسط درجے کی چوٹ ہی آسکے۔ یہ بات ایک دوسری روایت میں بیان ہوئی ہے۔

جہاں تک اعتراف کرنے کا تعلق ہے تو سزا صرف اسی مجرم کے لئے نہیں جو گناہ کا اعتراف کرے بلکہ بینہ کا قائم ہوجانا اصل چیز ہے۔ ایسی شکلیں بھی ہو سکتی ہیں کہ اعتراف کے باوجود آپ کوڑے نہیں لگا سکتے کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ نے اعتراف کے باوجود مجرم کے بارے میں یہ پوچھا کہ وہ بیمار تو نہیں یا کیا اس کی ذہنی کیفیت درست نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالی اعتراف کوئی چیز نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اعتراف کے بعد زیادہ کریدنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس روایت میں رجم کا کوئی ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سزا سورہ نور کی جلد والی آیت کے تحت دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کہ **" ایها الناس قد ان لکم ان تنتهوا من حدود**

اللہ " بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا وہ پرانی رسوم اور روایات کے تحت ہوتا رہا یا تورات کے احکام کے تحت ہوا ہوگا۔ آخر معاشرے میں کسی نہ کسی طریقے سے نظم تو قائم رکھنا ہوتا ہے لیکن جو قوانین جاری تھے وہ کسی مضبوط بنیاد پر نہ تھے۔ انہیں قوانین میں جب احکام قرآن میں واضح طریقے پر آگئے ہیں تب آپؐ نے فرمایا کہ وقت آگیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے حدود سے باز رہو اور ان گندگیوں سے بچو۔ جو غلطی اس طرح سے ہو جائے تو اللہ کے پردے میں چھپنا چاہئے۔ دبے پاؤں اللہ کی طرف رجوع کر کے معافی مانگنی چاہئے لیکن اگر کوئی اپنی گردن دکھائے گا تو ہم اس پر کتاب اللہ کا حکم جاری کریں گے۔ حکم سے اشارہ سورہ نور کی سو کوڑوں کی سزا کی طرف ہے۔

حدثنی مالک عن نافع ان صفیته بنت ابی عبید اخبرته ان ابا بکر الصدیق برجل قد وقع علی جاریته بکر فاحبلها ثم اعترف علی نفسه بالزنا ولم یکن احصن فامر به ابوبکر فجلد الحد ثم نفی الی فدک

ترجمہ: ___ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے ایک کنواری لونڈی سے برا کام کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ پھر اس نے زنا کا اعتراف کیا اور وہ شادی شدہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا تو اس پر کوڑوں کی حد جاری کی گئی پھر اس کو فدک کو جلاوطن کر دیا گیا۔

وضاحت: اس روایت میں خاص بات یہ ہے کہ کوڑوں کی سزا کے علاوہ جلاوطنی کا حکم بھی ہے۔ حالانکہ جلاوطنی کی سزا کو سب منسوخ مانتے ہیں۔ اگر حضرت ابوبکرؓ نے یہ سزا بھی دی تو اس کو منسوخ ماننے کی کوئی بنیاد ہونی چاہئے۔

قال مالک: فی الذی یعترف علی نفسه بالزنا ثم یرجع عن ذالک و یقول لم افعل' و انما کان ذالک منی علی وجه کذا و کذا لشئی یذکره ان ذالک یقبل منه ولا یقام علیه الحد و ذالک ان الحد الذی هولله لا یوخذ الا باحد وجهین اما ببینة عادلة تثبت علی صاحبها و اما باعتراف یقیم علیه حتی یقام علیه الحد فان اقام علی اعترافه اقیم علیه الحد۔ قال مالک: الذی ادرکت علیه اهل العلم انه لا نفی علی العبید اذا زنوا۔

ترجمہ: ___ امام مالکؒ کا فتوے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زنا کا اعتراف کرلے پھر اس سے لوٹ جائے اور کہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا اور جو کچھ میں نے کہا اس کا یہ پہلو تھا یعنی اس کی توجیہ کردے تو اس کا عذر قبول ہوگا اور اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ حد جو اللہ کے لئے جاری کی جاتی ہے۔ وہ دو وجہوں میں سے کسی ایک پر جاری کی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی واضح دلیل ہو جس سے زنا کا جرم ثابت ہو جائے یا ایسا اعتراف ہو جس پر ملزم حد نافذ ہونے تک قائم رہے۔ امام

مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم کو اسی پر پایا اور یہ بات بھی فرمائی کہ غلام جب زنا کریں تو ان پر جلاوطنی کی سزا نہیں۔

وضاحت: اس روایت سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ محض اعتراف کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز بینہ یعنی دلیل ہے جو ملزم پر جرم ثابت کردے۔ آج کل بھی پولیس کے آگے لوگ اعتراف کرلیتے ہیں۔ لیکن عدالت میں جاکر رجوع کرلیتے ہیں۔ لہٰذا جو آدمی اپنے اعتراف سے پھر جائے اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رجم بغیر اعتراف کے نہیں ہوسکتا تو یہ شیعوں کا مذہب ہے اور کسی کا نہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ غلام پر جلاوطنی نہیں۔ حالانکہ وہ شخص غلام ہی تو تھا جس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جلاوطنی کی سزا دی۔ امام مالک کی رائے خلیفہ راشد کی سنت کے خلاف ہے۔

جامع ماجاء فی حدالزنا
زنا کی سزا کے بارے میں جامع روایات

حدثنی مالک عن ابن شہاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابی ہریرۃ وزید بن خالد الجہنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الامۃ اذا زنت ولم تحصن' فقال ان زنت فاجلدوھا' ثم اذا زنت فاجلدوھا' ثم اذا زنت فاجلدوھا ثم بیعوھا ولوبضفیر' قال ابن شہاب لا ادری ابعد الثالثۃ' اوالرابعۃ' قال یحیی سمعت مالکا یقول والضفیر الحبل۔

ترجمہ ____ خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی لونڈی کے لئے حکم پوچھا گیا جو زنا کی مرتکب ہوئی ہو جبکہ وہ محصنہ نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ اگر پھر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ پھر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ پھر اس کو بیچ دو اگرچہ ایک رسی کے عوض۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ بیچ دینے کا آپؐ نے تیسری کے بعد کہا یا چوتھی کے بعد۔ مالکؒ کہتے ہیں کہ ضفیر کا مطلب رسی ہے۔

وضاحت: اس روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپؐ نے کتنے کوڑے مارنے کا فرمایا۔ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ غلاموں کی سزا آزاد مجرموں سے نصف ہے۔ تو پچاس کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا ہوگا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دوبارہ یا سہ بارہ جرم کے ارتکاب پر بھی سزا دی رکھی گئی ہے اور اس کے بعد فروخت کردینے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدثنی مالک عن نافع ان عبدا" کان یقوم علی رقیق الخمس وانہ استکرہ جاریۃ من ذالک الرقیق فوقع بہا فجلدہ عمر بن الخطاب و نفاہ ولم یجلد الولیدۃ لانہ استکرھھا۔

ترجمہ ____ مالکؒ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک غلام غلاموں کی نگرانی پر مامور تھا۔ اس نے ان میں سے ایک لونڈی کو مجبور کیا اور اس کے ساتھ بدکاری کی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو کوڑے مارے اور جلاوطن کیا۔ لیکن لونڈی کو کوڑے نہیں مارے کیونکہ وہ مجبور کی گئی تھی۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید ان سلیمان بان یسارا خبرہ ان عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعۃ المخزومی قال امرنی عمر بن الخطاب فی فتیۃ من قریش فجلدنا ولائد من ولائد الامارۃ خمسین خمسین فی الزنا۔

ترجمہ ____ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے حکم دیا تو ہم نے قریش کے نوجوانوں کو کوڑے مارے اور سرکاری لونڈیوں کو زنا کی سزا پچاس پچاس کوڑے لگائے۔

وضاحت: یہ روایت حضرت عمرؓ کے عمل سے متعلق ہے اور اس سے متصل پہلی روایت بھی ان کا ہی اثر ہے۔ لیکن دونوں میں سزا کا واضح فرق ہے پہلی روایت میں کوڑوں کے ساتھ جلاوطنی کی سزا بھی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ کوڑے پچاس مارے گئے یا ایک سو۔ دوسری روایت میں لونڈیوں کو پچاس پچاس کوڑے مارے گئے یعنی آزاد مجرموں کی سزا کا نصف۔ سورہ نساء کی آیت 25 میں صرف محصنہ لونڈیوں کی سزا نصف بتائی ہے جبکہ غلام مردوں کا کوئی ذکر نہیں۔ سورہ نور والی سزا میں صرف زانی مرد اور عورتوں کی سزا مذکور ہے۔ آزاد یا غلام کی تمیز نہیں کی گئی۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زانی غلاموں کی سزا بھی سو کوڑے ہی ہے۔ صرف زانیہ محصنہ لونڈی کی سزا سورہ نساء کے تحت نصف ہوگی۔

امام مالک کا فتویٰ اس عورت کے بارے میں جو حاملہ پائی جائے جبکہ اس کا شوہر نہ ہو' یہ ہے کہ اگر وہ عورت یہ کہے کہ وہ مجبور کی گئی تھی یا یہ کہے کہ اس نے شادی کی تھی تو یہ بات اس کی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اس پر حد جاری کی جائے گی الا آنکہ اس کے نکاح کے دعویٰ پر کوئی دلیل ملے یا وہ اس بات کی دلیل دے کہ وہ مجبور کی گئی۔

امام مالک صاحب کا یہ فتویٰ ٹھیک ہے۔ اس میں بھی یہ ہے کہ مجرد انکار یا اعتراف کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز جرم کی دلیل اور اس کا ثبوت ہے۔

کتاب الحدود کی زنا کے بارے میں تمام روایات اوپر گزر چکیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف موقعوں پر زنا میں ملوث ہونے والوں کو مختلف سزائیں دی گئی۔ زنا کی سزا کے بارے میں لوگوں میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسئلے کو واضح کیا جائے۔

قرآن مجید میں زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے لگانے کا حکم ہے۔ قرآن مجید کے سوا اس کو کوئی اور چیز باطل نہیں کر سکتی۔ جہاں تک "الشیخ و الشیخۃ فارجموھا البتۃ" کا قرآن مجید کی آیت ہونے کا تعلق ہے اس کو تو انتہائی بدمزاق شخص بھی قرآن مجید کی آیت نہیں ماننے لگا۔ ایک چیز قرآن مجید کی ہو اور وہ اس میں موجود نہ ہو۔ اس کا حکم موجود ہو اور آیت قرآن مجید میں سے نکال دی گئی ہو۔ بالکل ہی نامعقول بات ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو اس کے قرآن کی آیت ہونے پر اتنا جزم ہو لیکن وہ اس کو قرآن مجید میں داخل نہ کریں صرف اس ڈر سے کہ مسلمان کہیں گے کہ انہوں نے قرآن مجید میں اضافہ کردیا۔ اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ یہ بات صرف حضرت عمرؓ کو مطعون کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں کی جا سکتی۔ الا آنکہ خود قرآن مجید اس کو منسوخ کردے اور ناسخ و منسوخ دونوں کا قرآن مجید میں ہونا لازمی ہے۔

میرے نزدیک قرآن مجید میں رجم کی سزا بھی ہے اور جلا وطنی کی سزا بھی۔ لیکن یہ دونوں سزائیں عادی یا ہٹ دھرم مجرموں کے لئے ہیں۔

عبادہ بن صامت کی روایت بہترین طریقہ پر اس کی وضاحت کرتی ہے کہ **الثیب بالثیب الجلد و الرجم۔ البکر بالبکر الجلد و النفی** یعنی شادی شدہ کے لئے کوڑے اور رجم اور غیر شادی شدہ کے لئے کوڑے اور جلا وطنی۔ اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ دونوں حدیں ایک ساتھ نہیں جاری ہو سکتیں۔ اس لئے فقہاء اس کو منسوخ مانتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ واؤ جمع ہی کے لئے نہیں آتا تفریق کے لئے بھی آتا ہے۔ اس میں پہلی سزا دونوں صورتوں میں جلد ہی ہے یعنی پہلی سزا ہر زانی کو قرآن کے مطابق جلد ہی کی دی جائے گی اور اگر وہ ہٹ دھرم ہے' شریر ہے' ضدی ہے اور پھر پکڑا جائے تو قاضی شادی شدہ کو رجم کی اور غیر شادی شدہ کو جلا وطنی کی سزا بھی دے سکتا ہے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے واقعات کو لیں۔ ان میں ماعز کے متعلق روایات میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جب ماعز کو رجم کیا تو اس کے بعد سرکاری بیان دیا۔ اس میں آپؐ نے صاف صاف یہ کہا کہ جب ہم فوج لے کر نکلتے ہیں تو ہمارے پیچھے یہ شخص ہماری بہو بیٹیوں کے پیچھے "ینب نبیب التیس" سانڈ کی طرح پھرتا۔ یہ تقریر آپؐ نے واقعہ کے فوراً بعد کی تو اسی واقعہ سے متعلق تھی۔ دوسری روایت میں نہایت واضح الفاظ میں یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اس کی شرارتوں کا پہلے سے علم تھا لیکن کوئی ایسی بات ابھی ثابت نہیں ہو سکی تھی جس پر سخت قسم کی سزا ہو۔ اس کو بھی معلوم تھا کہ آنحضرتؐ اس کی حرکتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ جب وہ زنا کے جرم کا مرتکب ہوا تو اس کے قبیلے والوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اب اور کوئی شکل بچنے کی نہیں تم آنحضرتؐ

کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور پوچھا کہ آپؐ کو میرے متعلق کیا بات پہنچی ہے۔ لیکن آپ نے اس کو ٹال دیا کیونکہ آپؐ واقعہ کی پوری تحقیق کرلینا چاہتے تھے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ یہ بات آپؐ کے نوٹس میں ہے۔ جب اس کو معلوم ہوگا کہ اب بچنے کی کوئی صورت نہیں تب اس نے جاکر آنحضرتؐ کے سامنے جرم کا اعتراف کرلیا۔ یہ اس نے خاندان اور قبیلے والوں کے مشورہ سے کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز سمجھتا ہے قانون کا کام تو نہیں۔ آپؐ ٹالتے رہے تو اس نے اس کو گمان ہوا کہ معاف کردیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ معلوم تھا کہ لیکن آپ اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرسکتے تھے بلکہ آپ کو دلائل کی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے تحقیق کی کہ اس کی شادی ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کا دماغ ٹھیک ہے کہ نہیں۔ یہ سب باتیں قدیم ترین قانون کی رو سے چلی آرہی ہیں اور آج تک چلی جاری ہیں۔ آخرکار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحقیق ہوگیا کہ یہ شخص مجرم ہے تو آپؐ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ تب اس نے کہا کہ میری قوم نے مجھے مروادیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ تمہارے ساتھ رعایت کریں گے۔

اس شخص کے بارے میں کچھ لوگوں نے اس قسم کے سخت فقرے کہے کہ اس کی شامت اعمال نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہ کتے کی موت ماردیا گیا۔

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب وہ کیفر کردار تک پہنچ گیا تو اب اس کے معاملے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں کیونکہ اس نے آنحضرتؐ کے پاس خود جاکر بار بار کہا کہ مجھے پاک کیجئے اس لئے وہ بڑا ولی اللہ تھا۔ عاقل یہ سمجھتا ہے کہ مجرم جب بے بس ہو جاتا ہے تو یہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ اگر ایسی بات ہوتی تو آپؐ اس کا جنازہ پڑھ دیتے لیکن روایات میں ہے کہ آپ نے اس کے لئے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اگر وہ سزا پاکر اتنا ہی مقرب ہوگیا تھا تو آپؐ نے نماز جنازہ کیوں نہ پڑھی۔

دوسرا واقعہ غامدیہ کا ہے۔ غامدیہ کے متعلق یہ ہے کہ اس کے خاندان کا پتہ نہیں' اس کے شوہر کا پتہ نہیں اور اس کے متعلق پوچھا بھی نہیں گیا۔ اس کا بچہ بھی کسی انصاری کے حوالے کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کال گرل تھی۔ جب حمل ہوگیا تو جرم ثابت ہوگیا اور اس میں کوئی ابہام بھی نہ رہا۔ ایسے لوگوں کا علاج ایک ہی تھا کہ ان کو ٹھکانے لگادیا جائے۔ چنانچہ یہ غامدیہ بھی رجم کردی گئی۔

یہ دو واقعات سنگین قسم کے مجرموں کے ہیں اس لئے ان کو سزا بھی نہایت سخت دی گئی اور دونوں کو رجم کردیا گیا۔

(ترتیب: مسعود احمد)

آثارات فراہی
خالد مسعود

سورہ کے اجزا

تمہید:

جہاں تک تمہید کا تعلق ہے کلام کے شروع میں اسے لانے کی ضرورت عموماً اس وقت ہوتی ہے جب اس بات کا امکان ہو کہ مخاطب پر وہ بات مشکل ہوگی۔ لہٰذا اصل مقصود کے لئے اس کو تیار کرنے کی خاطر تمہیدی بیان پہلے لایا جاتا ہے۔ اگرچہ تمہید کی بنیادی ضرورت یہی ہے لیکن کلام میں اس سے بے شمار دوسرے پہلو بھی ملحوظ ہوتے ہیں۔ اس کی مقدار بھی مختلف ہو سکتی ہے اور اس کی خوبیاں بھی ان گنت ہیں۔ اس میں مرکزی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ اس میں ان تمام باتوں کو سمو دیا جائے جو سامع کے قلب اور اس کی عقل کو متاثر کرنے والی ہوں تاکہ وہ کلام کے سننے پر آمادہ ہو جائے۔

تمہید کو اتنا طول دینا کہ وہ مقصود کلام کے ہم وزن ہو جائے یا اس کے بیشتر حصہ پر چھا جائے پسندیدہ نہیں لیکن ایک ماہر متکلم کلام کے مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ وہ بات کو اس طریقہ سے پھیلے جائے گا جس کا اس کے مخاطبوں کو سان گمان بھی نہ ہوگا۔ کبھی وہ تمہید کو طویل کر کے یا تو اپنا مقصود نہایت مختصر عبارت میں کہہ دے گا یا اس کو بیان ہی نہیں کرے گا بلکہ اس تمہید کو اصل بات کہنے کا ذریعہ بنا لے گا۔ کبھی وہ تمہید سے اصل مضمون کی طرف اس طرح بتدریج آئے گا کہ تمہید اور مقصود کلام میں کوئی فرق محسوس نہ ہوگا۔ آغاز کلام میں تمہید کے اسلوب میں اتنا تنوع ہوتا ہے کہ اس کا شمار مشکل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر مخاطب مطیع و منقاد ہے تو قائل تمہید کو ترک ہی کردے یا اگر قہر و غضب کی حالت میں کوئی حکم دے تو مخاطب پر بجلی کی سی کڑک کے ساتھ ٹوٹ پڑے۔ ان مواقع کی مثالیں تم سورہ نور یا سورہ توبہ میں دیکھو گے یا پھر ان سورتوں میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خطاب کیا گیا ہے۔

نفس مضمون:

اس حصہ میں مقصود کلام ہوتا ہے جس کو مختلف اطراف سے بیان کر کے ثابت کیا جاتا ہے۔ اس حصہ میں منکرین سے بحث بھی ہو سکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے خطاب بھی ہو سکتا ہے۔ بالعموم یہ حصہ ان تمام خطابوں کا جامع ہوتا ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی حسب ذیل

ہوتے ہیں۔

1. تعلیل، یعنی ایسا مضمون جس کا مقصد کسی دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے دلیل فراہم کرنا یا اعتراض اور شبہ کو رفع کرنا ہوتا ہے۔ دلیل پیش کرنے کا مقصد کبھی تو غور و فکر کی تربیت ہوتا ہے اور کبھی اس کو ضمناً لایا جاتا ہے تاکہ قاری محض دعویٰ سے بدک نہ جائے۔
2. تفریع، یعنی کسی اصل سے پھوٹنے والی شاخوں کا بیان۔ بیشتر احکام و شرائع اس میں داخل ہیں اور مقدمات کی روشنی میں نتیجہ اخذ کرنا بھی اسی کے تحت آتا ہے۔
3. تاصیل، یعنی کسی چیز کی بنیاد اور اصل کا بیان۔ احکام و شرائع کی مصلحتیں واضح کرنا یا کسی حقیقت کے اثبات میں برہان کے ذریعے استدلال اس کے تحت آتا ہے۔
4. تفصیل، یہ ایک وسیع باب ہے۔ اس کا استعمال مختلف مواقع میں الگ الگ مقاصد سے ہوا ہے۔ مثلاً غور و فکر کو کوئی خاص رخ دینا، کسی مشکل مسئلہ کو آسان کر کے سمجھانا، حکمت سے آگاہ کرنا۔ کہیں ماسبق کی توسیع یا تحدید مقصود ہوتی ہے یا کسی پیدا ہونے والے سوال کا جواب دینا ہوتا ہے تو تفصیل کے ذریعے ایسا کیا جاتا ہے۔
5. تمثیل۔ اس کا مقصد کسی مسئلہ کی وضاحت یا اس پر دلیل قائم کرنا ہوتا ہے۔ قرآنی قصے، واقعات اور امثال اسی ذیل میں آتی ہیں۔ تمثیل کو حکمت کی تعلیم اور اخذ نتائج کا وسیلہ و ذریعہ بنایا گیا ہے۔ کبھی اس سے مابعد مضمون کی تمہید اٹھائی جاتی ہے۔
6. مشابہ مضامین ساتھ ساتھ بیان کرنا، مثلاً شرک کے ساتھ زنا کا ذکر یا توحید کے ساتھ والدین سے حسن سلوک کا ذکر۔ اس کا مقصد کسی مضمون کی ماہیت کو کھولنا یا ایک چیز کا صحیح مقام متعین کرنا ہوتا ہے۔
7. متقابل یا ضد مضمون ساتھ ساتھ بیان کرنا، مثلاً انفاق کے ساتھ ربا کا ذکر۔ اس کا مقصد بھی وہی ہے جو اوپر مشابہ مضامین کے لئے بیان ہوا۔
8. تنبیہ۔ اس میں مستقبل کے وعدے یا ڈراوے دینا اور کسی فعل کی تحسین یا اس کی قباحت ظاہر کرنا شامل ہے۔ جس طرح دلیل کا مخاطب عقل ہوتی ہے اسی طرح تنبیہ کا مخاطب انسان کا قلب ہوتا ہے جس کو وعد و وعید یا مدح و ذم کے ذریعہ سے ابھارا جاتا ہے۔

تعلیم قرآنی کے اصولی مسائل دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ عقائد اور اعمال۔ عقائد کے بنیادی مسائل توحید، نبوت اور معاد ہیں (اپنے دلائل کے ساتھ)
توحید کے ساتھ جبر و قدر اور وحدت الوجود کا تعلق ہے۔ پھر توحید اور نبوت کے ساتھ شفاعت کا تعلق ہے۔ معاد کے ساتھ جنت و دوزخ کی حقیقت کے مسائل ہیں۔
اعمال تین قسم کے ہیں۔ شخصی، منزلی اور مدنی۔

اعمال میں نماز ہے اور اسی کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔ زکوۃ ہے اور اسی کا جز روزہ ہے۔ مکارم اخلاق ہیں (یہ بر و معروف کے تحت ہیں جس کا ضد منکر ہے) اور پھر شہادت بالحق ہے۔ یہ اگرچہ مخصی اعمال ہیں لیکن ان کا تعلق جماعت سے بھی ہے۔

اس کے بعد عدل و قسط اور اس کے بعد تعاون کا درجہ ہے۔ قسط میں میراث' نکاح اور معاملات شامل ہیں۔ تعاون میں خلافت' سیاست اور جہاد داخل ہیں۔ پھر اعمال کے سرچشمے اخلاق میں بھی ہیں' مثلاً" محبت' صبر' عزم' تقویٰ اور عدل میں۔ ان میں سے بعض چیزیں بہ اعتبار اصول باہم متحی ہوئی ہیں۔

خاتمہ:

سورہ کے آخر میں خاتمہ کی آیات آتی ہیں۔ یہ جس طرح کے مضامین پر مشتمل ہوتی اور سورہ کے مضامین سے مربوط ہوتی ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے چند مثالوں پر غور کرو۔

(الف) سورہ ذاریات میں توحید' رسالت اور معاد کی کھلی کھلی دلیلوں کی طرف اشارہ کرنے اور مذکورہ تین چیزوں میں سے اللہ واحد کی طرف دعوت دینے کے بعد خاتمہ کی نو آیات میں کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کی طرف مڑ گیا ہے۔ تسلی کا یہ مضمون اپنے اندر بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ یہ قرآن مجید کے نفس مضمون میں بھی اور سورتوں کے خاتمہ میں بھی آیا ہے۔ سورہ ذاریات میں تسلی کے علاوہ مندرجہ ذیل باتیں بھی واضح ہو رہی ہیں:

1- ظالموں اور سرکشوں کی باتوں سے درگزر کیا جائے۔

2- مخالفتوں پر صبر کیا جائے اور حق کے غلبہ کا انتظار کیا جائے۔

3- اللہ تعالیٰ حکمت' رحمت اور عدل کی صفات سے متصف ہے۔

4- ظالموں اور سرکشوں کو مہلت دینے میں اللہ کی حکمت ہے۔

5- اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے مدتیں مقرر کر رکھی ہیں۔

6- مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اس مقصد کے اندر ہی ان کی ترقی اور ان کا کمال مضمر ہے۔

7- ربوبیت اور عبودیت میں نہایت کھلا فرق ہے۔

8- جزا اور سزا لازمی ہے۔

یہ سارے مطالب اس حسن ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں کہ آپ سے آپ ایک سے دوسرے پر دلیل قائم ہوتی چلی گئی ہے۔

(ب) سورہ مرسلات میں آیت 50 فبای حدیث بعدہ یومنون خاتمہ کی ایک ہی جامع آیت ہے۔ جس نے ان تمام مضامین کی طرف انگلی اٹھا دی ہے جو از قبیل دلائل و از قسم ترغیب و ترہیب سورہ

بقیہ صفحہ [illegible] پر

عبد العظیم اصلاحی

قرآنی معیشت کے بعض بنیادی مسائل

مولانا فراہیؒ کی نظر میں

دنیائے مغرب میں آج سے ایک صدی قبل کے اقتصادی افکار و نظریات کا جائزہ لیا جائے تو صاف طور پر نظر آئے گا کہ عمل اور ردعمل کے نتیجے میں دو متوازی معاشی نظام یا مسلک ایک دوسرے پر غالب ہونے کے لیے دست گریباں ہیں۔ یہ دو نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جب مشرق میں مغربی علوم و افکار کا آوازہ بلند ہوا تو سماجی و معاشی علوم و مسائل پر سوچنے والے علماء میں بہت کم ایسے ملیں گے جنھوں نے خود ان نظریات سے متاثر ہونے کے بجائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان پر تنقید کی ہو' اور کسی مسلک وسط کی طرف رہنمائی کی ہو۔ مولانا فراہیؒ کے یہاں تفصیلی معاشی بحثیں تو نہیں ملتیں' مگر اپنی تصنیفات میں مختلف مواقع پر انھوں نے اس موضوع پر جو مختصر رائیں ظاہر کی ہیں ان سے بڑی حد تک ان کے معاشی مسلک کے بنیادی خدوخال کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ پیش نظر مضمون میں سرمایہ داری و اشتراکیت کے منظر و پس منظر کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد مولانا فراہی کی تفسیری توضیحات کی روشنی میں ان کے اقتصادی مسلک کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جائزہ کی اصل اہمیت یہ ہے کہ مولانا کے سیرت نگاروں سے ان کے فکر کا یہ پہلو یکسر اوجھل رہا۔ اس سے کچھ اس کا بھی اندازہ ہو گا کہ اس دور میں جب ایک عالم مغربی علوم و فنون کے سحر میں گرفتار تھا مغرب سے درآمدہ افکار سے متعلق امام فراہیؒ کا طرز عمل اور موقف کیا تھا۔

سرمایہ دارانہ نظام اور سود:

بے قید ملکیت' اخلاقی اقدار سے لاتعلقی' بے جا استحصال اور اغنیا و فقراء میں روز افزوں تفاوت سرمایہ دارانہ نظام کے چند اہم مظاہر ہیں۔ اس نظام کی بار آوری میں سود کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ پیداواری کا عمل انجام دینے والا شخص اسی کی اساس پر سرمایہ حاصل کرتا ہے اور اس کو پیداوار کی لاگت میں شامل کر کے عام صارفین سے وصول کرتا ہے۔ اس نظام میں سود کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کلاسیکی ماہرین معاشیات نے سود کو ایسا خود کار آلہ قرار دیا ہے جو معیشت میں مکمل روزگار کی ضمانت دیتا ہے۔ یہاں اس اجمال کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں' لیکن یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا کہ معیشت میں سود کو یہ اثر و رسوخ کس طرح حاصل ہوا۔

قرآن کے علاوہ دوسری الہامی کتابوں میں بھی سود کی ممانعت وارد ہے' یہاں تک کہ یونان کے فلسفیوں نے بھی سود کی مخالفت کی ہے۔ عہد وسطیٰ کے وسط تک مسیحی علماء بھی ہر طرح کے سود کے مخالف رہے۔ صلیبی جنگوں کے بعد جب چرچ کے پاس بے شمار دولت اور جاگیریں آگئیں اور تجارت و صنعت میں ترقی شروع ہوئی تو اس وقت یہ بحث چھڑی کہ کیا سود کی ہر شرح اور ہر مقصد کے لئے لئے گئے سرمایہ پر سود ممنوع ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے؟ عہد وسطیٰ کے معاشی افکار کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی علماء میں اس مسئلہ پر بڑی بحثیں رہیں۔ شروع میں ان کا موقف سخت رہا' لیکن تجارت و صنعت کے ساتھ مادیت کے فروغ اور خود چرچ کے ساہوکاری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسیحی علماء نے یہ کہہ کر سپر ڈال دی کہ ممنوع سود وہ ہے جو صرفی قرضوں پر لیا جائے۔ رہا وہ سود جو پیداواری قرضوں پر وصول کیا جائے' وہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح شرح سود میں بھی فرق کیا گیا کہ وہ سود غلط ہے جس کی شرح بہت بھاری ہو' آسان اور معمولی شرح ممنوع نہیں ہے۔ اول الذکر کو ربا یا یوژری (USURY) اور ثانی الذکر کو فائدہ یا انٹرسٹ کہا گیا۔ اس فرق نے سودی کاروبار اور بینکنگ کے نظام کو جو تمام تر سود پر مبنی تھا' خاصا فروغ دیا اور ربع مسکون کو تقریباً پورے طور پر اپنے تسلط میں لے لیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یورپ میں اس بحث کے چھڑنے سے کچھ صدیوں قبل مسلمانوں میں بھی اس طرح کی سوچ پروان چڑھنے لگی تھی چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ (متوفی 606ھ/1210ء) نے اپنی تفسیر کبیر میں پیداواری و تجارتی قرضوں پر بھی سود کے ممنوع ہونے کے حق میں کئی دلائل دیئے ہیں اور غالباً پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اس کا معاشی تجزیہ پیش کیا ہے۔

اس صدی کے آغاز میں مسلم علماء کا عام رویہ:

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں کے شروع میں تمام مسلم ممالک براہ راست یا بالواسطہ مغرب کے سیاسی' فکری اور معاشی تسلط کے بے رحم پنجوں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ان پر اس طرح مسلط ہو گیا کہ اس سے ہٹ کر سوچنے کی بات تو دور رہی اس نظام کے فاسد ترین جز سود کو جائز قرار دینے کی کوششیں ہونے لگیں۔ اس صورت حال کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس موضوع پر مشہور کتاب "تجارتی سود تاریخی اور فقہی نقطہ نظر سے" کے فاضل مصنف پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری یوں رقم طراز ہیں:

"سیاسی و معاشی تسلط اور تہذیبی و ذہنی مرعوبیت نے خود مسلمانوں کے درمیان ایسا طبقہ پیدا کر دیا ہے جو اپنے فروتر علمی معیار' غیر تخلیقی ذہانت' کم سوادی اور پست ہمتی کی بنا پر اپنے نظریہ زندگی' قدروں اور علمی و تہذیبی ورثے کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہے اور ہر مسئلہ کو مغربی افکار و تہذیب کے معیار پر تولتا ہے اور جس کے علم و تحقیق اور جدت

پسندی کا منتہائے کمال یہ ہوتا ہے کہ مغرب کے رائج الوقت نظریات اور سکہ بند خیالات کی تائید اسلام کی زبان سے کرا دی جائے۔ سود کے بارے میں بھی یہی رویہ اس طرح کے لوگوں کا رہا۔ غیر سودی نظام معیشت کے خاکے کی تشکیل اور اس کا برپا کرنا تو بس کا روگ نہ تھا کم ہمتی نے یہ راہ البتہ سجھائی کہ ایک ایسی چیز کو جو بدترین محرمات میں سے ہے تاویل و تعبیر کے ذریعہ جائز قرار دے لیا ہے۔"

قرون وسطیٰ کے دلائل کو یہاں بھی دہرایا گیا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ تجارتی اور پیداواری قرضے اور ان پر سود کا طریقہ عرب میں رائج نہیں تھا' یہ ایک نوپیدا صورت حال ہے۔ اس وقت جو قرضے دیئے جاتے تھے وہ ذاتی حوائج اور صرفی مقاصد کے لیے ہوتے تھے۔ ان پر زائد رقم بے شک ربا یا یوژری ہے۔ باقی خوش حال افراد یا تجار سے جو زائد رقم وصول کی جائے وہ ربا نہیں انٹرسٹ ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوری نے اپنی مذکورہ کتاب میں ان دلائل کا بڑی باریکی سے جائزہ لیا ہے اور ان کا کافی و شافی بلکہ کہنا چاہئے دندان شکن جواب دیا ہے۔ موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

امام فراہیؒ کا موقف

اس زمانہ میں جبکہ اہل فہم و قلم ان دلائل کی رو میں بہے جا رہے تھے امام حمید الدین فراہیؒ نے ہر طرح کے سود کی حرمت کو یکساں قرار دیا اور خود قرآن مجید سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ اہل عرب میں زیادہ تر سودی کاروبار خوش حال و تجارت پیشہ لوگوں کے ساتھ تھا۔

آیت ربا کی تشریح میں آپ نے تحریر کیا ہے:

"وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیرلکم" یلوح من هذہ الکلمات انهم کانو ایاخذون الربا من ذی میسرہ والقریش کانت تجارا واصحاب الربا فلاازی فرقابین حالهم و حال ابناء زماننا فی الربا واللہ اعلم

"**وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ** سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اہل عرب خوش حالوں سے سود لیتے تھے۔ پھر قریش تاجر لوگ تھے اور سودی کاروبار ان میں رائج تھا۔ اس وجہ سے اس معاملہ میں ان کے اور ہمارے حالات کے درمیان کوئی خاص فرق مجھے سود کے بارے میں نظر نہیں آتا' واللہ اعلم"۔

خوش حال لوگوں کو قرضہ دیئے جانے اور اس پر سود کمانے کا قرآن سے ثبوت ایک ایسا نکتہ ہے جو مجھے اپنے علم کی حد تک کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔ یہ چیز مولانا فراہیؒ کی قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ اس نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں رقم طراز ہیں:

"اس زمانہ میں بعض کم سواد یہ دعوی کرتے ہیں کہ عرب میں زمانہ نزول سے پہلے جو سود رائج تھا یہ صرف مہاجنی تھا' غریب و نادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن ان مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔ اسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور اسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اس زمانہ میں رواج ہے تو ان کا اس زمانہ میں نہ دستور تھا نہ ان کی حرمت و کراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔ ان لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اس آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآن حکیم یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذوعسرہ) ہو تو اس کو کشادگی (میسرہ) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اس زمانے میں قرض لینے والے امیر اور مالدار لوگ بھی ہوتے تھے۔ بلکہ یہاں اگر اسلوب بیان کا صحیح صحیح حق ادا کیجئے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرض لین دین کی معاملت زیادہ تر مالداروں ہی میں ہوتی تھی البتہ امکان اس کا بھی تھا کہ کوئی قرض دار تنگ حالی میں مبتلا ہو کہ اس کے لیے مہاجن کی اصل رقم کی واپسی بھی ناممکن ہو رہی ہو تو اس کے متعلق یہ ہدایت ہوئی کہ مہاجن اس کو اس کی مالی حالت سنبھلنے تک مہلت دے اور اگر اصل بھی معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ اس معنی کا اشارہ آیت کے الفاظ سے نکلتا ہے اس لیے کہ فرمایا ہے کہ "**ان کان ذوعسرة فنظره الی میسره**" (اگر قرضدار تنگ حال ہے تو اس کو کشادگی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے)۔ عربی زبان میں 'ان' کا استعمال عام اور عادی حالات کے لیے نہیں ہوتا بلکہ عموماً نادر اور شاذ حالات کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ عام حالات کے بیان کے لیے عربی میں 'اذا' ہے۔ اس روشنی میں غور کیجئے تو آیت کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر قرض دار ذو میسرۃ (خوشحال) ہوتے تھے' لیکن گاہ گاہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ قرضدار غریب ہو یا قرض لینے کے بعد غریب ہو گیا ہو تو اس کے ساتھ اس رعایت کی ہدایت فرمائی"۔

سرمایہ دارانہ نظام کے رکن رکین سود سے متعلق امام فراہیؒ کے مسلک کی وضاحت کے بعد آیئے اب ہم اس دور کے دوسرے اہم معاشی نظام سے متعلق آپ کی رائے کا مطالعہ کرتے ہیں۔

تاریخ کی مادی یا اقتصادی تعبیر پر مولانا فراہیؒ کی تنقید:

بہت سے اشتراکی مصنفین نے' جن میں مارکس (متوفی 1886ء) کا نام سب سے نمایاں ہے' معاشرہ کے مختلف مراحل کے ارتقاء سے بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں جو معاشرتی عروج و زوال پایا گیا ہے اس کے پیچھے ہمیشہ معاشی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ پیداوار اور

مبادلہ کے ذرائع و مناہج اور معاشی مفادات کی کشمکش ہی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور سماجی ڈھانچہ اور طبقاتی مفادات کو تشکیل دیتے رہے ہیں۔

مارکس اور اشتراکی مصنفین کے متذکرہ صدر نظریہ کو تاریخ کی مادی یا معاشی تعبیر کا نام دیا جاتا ہے۔ مولانا فراہیؒ اس مارکسی نظریہ کی قرآن کی روشنی میں پرزور تردید کرتے ہوئے اپنی کتاب "فی ملکوت اللہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"تاریخ میں واقعات دراصل اخلاقی عوامل کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ یہ عالم اللہ تعالی کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ آسمانی کتابیں (جن میں اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے) تاریخ کی ساری کتابوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ کسی قوم کی تعمیر و ترقی یا شکست و ریخت اس کے اخلاق کے مطابق ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ سورہ اعراف میں عذاب کے اسباب میں شرک' فساد فی الارض' فواحش اور حرص و طمع کا تذکرہ ہے۔ کسی قوم پر عذاب اتمام حجت اور خاصی مہلت کے بعد آتا ہے۔ پھر ایسے لوگ اچانک پکڑ میں آ جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ جبکہ ایمان و تقوی کے نتیجہ میں برکات کا ظہور ہوتا ہے"۔

مولانا فراہی کے ان مختصر ملاحظات پر قرآن کے نظریہ تاریخ کو بخوبی مرتب کیا جا سکتا ہے۔

اشتراکیت کے پر فریب نظریات:

صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے ارتقاء کے نتیجہ میں دولت و ثروت کے تفاوت میں اضافہ ہوا۔ بے کاری بڑھی' محنت پیشہ لوگوں کا استحصال شروع ہوا۔ گندی بستیاں' گنجان آبادیاں اور طرح طرح کی بیماریاں نمودار ہوئیں۔ ان سب کے رد عمل کے طور پر سماجی علوم کے مختلف مفکرین نے اشتراکی نظریہ کو فروغ دیا کہ نجی ملکیت کا خاتمہ ہو' ذرائع پیداوار حکومت کے قبضہ میں ہوں اور حکومت کی معرفت معاشی ثمرات سے تمام لوگ برابر متمتع و مستفید ہوں نظریہ کو مارکس نے منطقی دلائل سے نقطہ عروج پر پہنچایا۔ اس کے خیالات سے متاثر جماعت 1917ء میں بڑی عیاری سے اس نظریہ پر مبنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نظریہ کی حقیقت کیا تھی اور معاشی مسئلہ کو حل کرنے میں یہ کس قدر ناکام رہا اس کا اندازہ آج کرنا کچھ مشکل نہیں جبکہ روسی حکومت کا شیرازہ ایک ایک کر کے بکھر رہا ہے۔ غیر فطری مساوات اور ظالمانہ اشتراکیت نے معاشی سرگرمیوں کو ایسا کند کیا کہ یہ نظام اپنی پوری تاریخ میں مغرب کے سرمایہ دار ممالک کا بھکاری بن کر رہا اور اب جس کی تلافی کے لیے اس نے نجی ملکیت کی قیود میں ڈھیل دینی شروع کر دی ہے اور منڈی پر مبنی معاشی نظام (MARKET SYSTEM) کو اپنانے جا رہا ہے۔☆

☆اس تحریر کی اشاعت کے وقت روس میں کیمونسٹ نظام کا جنازہ نکل چکا ہے۔ سوویت اتحاد ختم ہو گیا ہے اور اس کی حکومتیں اپنی اپنی جگہ آزادی کا اعلان کر کے نیا سیاسی و معاشی نظام اپنانے جا رہی ہیں۔

لیکن آج سے ستر سال قبل جب یہ نظام قائم ہوا تو اس کے دلفریب نعروں اور پر فریب دعووں نے بہتوں کو مسحور کر لیا' اور انھوں نے یہ نہیں محسوس کیا کہ جبرو استبداد کے آہنی پردوں کے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔

اشتراکیت سے متعلق علامہ فراہیؒ کی رائے:

اس نظام سے متعلق بھی ہدایت و بصیرت امام فراہیؒ نے قرآن مجید سے حاصل کی ہے۔ آپ کی کتاب "فی ملکوت اللہ" میں ہمیں درج ذیل رائے ملتی ہے:

الاشتراکیہ حسنہا بعض الحکماء مثل لائی کرگس مقنن اسپارطہ و فلاطن و وضعہا علی امتہ و لکنہا لم تبق لاختلاف الاستعدادات وھی الان ایضا یدعوالیہا بعض الدعاۃ ویتھالک علیہا العامتہ ولکنہا ممقوتہ عندالامرا والاغنیاء فصارت مثار للتخالف و التشاکس فی الامتہ واشراب منہا فتنتہ لا تکاد تطفا نطلعا قال اللہ تعالی اھم یقسمون رحمتہ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیاۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ورحمتہ ربک خیر مما یجمعون (43 : 34)

بعض یونانی حکما مثلاً" اسپارٹہ کا قانون ساز لائی کرگس☆ (LYCURGUS) اور افلاطون (347 قبل مسیح) نے اشتراکیت کی تعریف کی ہے بلکہ ایک قوم پر اس کا تجربہ بھی کیا' لیکن صلاحیتوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ چل نہ سکی۔ آج بھی اس کی طرف کچھ لوگ دعوت دے رہے ہیں اور عوام کالانعام اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں' لیکن امراء و اغنیاء کو اس سے سخت نفرت ہے جس کی وجہ سے طبقاتی کشمکش اور افتراق پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس سے ایک ایسا فتنہ جنم لے رہا ہے جس کی آتش سوزاں سرد ہونے کا نام نہیں لیتی۔ سچ ہے اللہ تعالی کا ارشاد: کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو بانٹنا چاہتے ہیں جبکہ ان کی اس دنیوی زندگی میں ہم نے ان کی معیشت بانٹ رکھی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض کے اوپر اونچا کر رکھا ہے تاکہ ان کے بعض بعض کو تابع بنا کر رکھیں۔ تمہارے رب کی رحمت تو اس سے کہیں بہتر چیز ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔"

☆ یونانیاں جہاں گشت لائی کرگس کا زمانہ 900 سے 700 ق م کا بتایا جاتا ہے۔ اس نے اسپارٹا کی حکومت کے دستور و قوانین کو مرتب کیا اور سماجی ڈھانچہ کی تعمیر نو کی۔

اس مختصر سے بیان میں علامہ نے کمیونزم پر جو بے لاگ تبصرہ کیا ہے وہ بڑی بڑی تحریروں پر بھاری ہے۔ آپ کی رائے میں دور جدید کا کمیونزم قدیم یونانیوں کا ایک چبایا ہوا لقمہ ہے۔ یہ تجربہ ایک بار ناکام ہو چکا ہے اور تاریخ پھر اپنے کو دہرانے والی ہے۔ یہ نظام غیر فطری ہے۔ چونکہ لوگوں کی صلاحیتیں یکساں نہیں ہیں' اس لیے ان کے ساتھ یکساں سپاٹ میکانکی سلوک بھی نہیں ہو سکتا۔

اشتراکیت کے بعض دھڑوں نے انار کی یا فوضی کی راہ کو اپنے لیے راہ نجات سمجھا اور ان نظریوں نے اس کو باقاعدہ ایک نظام حیات کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ ان میں جوزف پرادھون (Joseph Proudhon) (1865 – 1809) اور میخائل باکونین (Mikhail Bakunin) (متوفی 1876ء) قابل ذکر ہیں۔ ان کے مطابق حکومت ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس لیے اپنے سارے معاملات انفرادی طور پر حل کیے جائیں اور کوئی مرکزی حکومت نہ ہو۔ علامہ فراہیؒ نے اس نظریہ کو بھی تاریخ اور قرآنی آیات کی روشنی میں گمراہ کن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

الفوضی کانت ممقوتہ عند العرب و یعدونہا من امارۃ الحمق ولکن الان قامت لہا الدعاۃ فی المغرب واستغو ابہا العامتہ وھی کاختہا مثارہ للفتن و ہدم النظام الانسانی قال تعالی اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول واولی الامر منکم (4 : 59) **ثم قال تعالی: وامرھم شوری بینھم** (38:47)

"انار کی عربوں کے یہاں سخت ناپسندیدہ تھی اور اس کو وہ احمقوں کی سرداری قرار دیتے تھے' لیکن آج مغرب میں اس کے مبلغین اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور عامتہ الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنی ہم جنس کی طرح ہی فتنہ انگیز اور انسانی نظام کو ملیا میٹ کرنے والی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی" ——— ایک اور جگہ ارشاد ہے: "ان کا معاملہ باہم مشورہ سے طے ہوتا ہے۔"

اسلامی معیشت میں اقدار کی کارفرمائی:

اشتراکیت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اصل چیز مقصد وغایت ہے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ نظام انسانی قدروں کی پروا نہیں کرتا اگر وہ اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔ علامہ فراہی نے اس کا سختی سے رد کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: **فلیس الامر کمازعم الظالمون ان حسن الغایتہ یحسن الذریعتہ السیئہ** (بات وہ نہیں ہے جو ظالم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ مقصد کی اچھائی نامحمود ذریعہ کو محمود بنا دیتی ہے)۔' مقصد اچھا ہو تو بھی اس کے حصول کے لیے نامحمود ذریعہ محمود نہیں بن سکتا۔ سرمایہ دارانہ نظام جو کہ انسانی اقدار کے سلسلہ میں بے پروا ہے اور اشتراکی نظام جو کہ بعض حالات میں اخلاقی قدروں کو پامال کر

دینے کی دعوت دیتا ہے ان دونوں کے برخلاف علامہ فراہی نے اقدار پر مبنی نظام معیشت کی حمایت کی ہے۔ ان کے مطابق صلاح و تقوی اور اخلاقی قدروں کی پابندی سے حسی و غیر حسی طور پر معاشی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ سورۃ نوح کی آیات **فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمدد کم باموال و بنین و یجعل لکم جنت و یجعل لکم انھارا** (نوح 10 - 12) کی تشریح میں امام فراہیؒ فرماتے ہیں:

بالشریعتہ والصلاح تعمر الارض ویکثر النسل لمافیھا من المصالح الملکیتہ و الجسمیتہ

"شریعت اور نکوکاری کے نتیجے میں زمین آباد اور آل اولاد میں افزائش ہوتی ہے کیونکہ اس میں ملکوتی و جسمانی دونوں مصالح ہیں"۔

اسی طرح انسان کے معاشی رویوں پر عقیدہ آخرت کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ سورۃ التطفیف کی آیات 1-6 سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الشح والکسب بالحرام یاتی من الانکار بالمعاد و العدل و عدم الخشیتہ للہ

"بخل اور حرام طریقوں سے کمائی کی اصل وجہ آخرت اور عدل الہی سے انکار نیز خدا سے بے خوفی ہے"۔

اسلامی معاشیات میں صدقہ و انفاق کا مقام:

سرمایہ دارانہ نظام تمام تر سود کے تعامل اور کمزور طبقات کے استحصال پر مبنی ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی معاشیات میں صدقہ و انفاق کے ذریعے دولت کے ارتکاز کو ختم کرنے اور دولت کی گردش کو جاری و ساری رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ مولانا فراہیؒ ربا کو زکات و صدقات کی عین ضد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں **الربا خلاف الصدقہ** (ربا دراصل صدقہ کی ضد ہے)

سورۃ القصص کی آیت **وابتغ فیما اتک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین** ○ (القصص) 77

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الانفاق مما رزقنا واجب وضدہ فساد فی الارض و من ھنا الربا فساد فی الارض و مقت من اللہ

"اپنے مال و اسباب میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا واجب ہے اور اس کے بالمقابل فساد فی الارض ہے۔ یہیں سے یہ بات نکلی کہ ربا کا عمل زمین میں فساد

پھیلانے اور اللہ کی ناراضگی کے مترادف ہے"۔

اس نظام میں اصل مالک اللہ سبحانہ و تعالی ہے:

اسلام نہ تو اشتراکیت کی طرح افراد کو ذاتی ملکیت سے محروم کرتا اور نہ ہی نظام سرمایہ داری کی طرح ان کو بے قید ملکیت کی اجازت دیتا ہے۔ اس نظام کی رو سے اصل مالک اللہ سبحانہ و تعالی ہیں۔ انسان کے ہاتھ میں ملکیت محض ایک امانت ہے جس کا حساب مالک حقیقی کو دینا ہوگا۔ سورۃ الزمر کی آیت **اولم یعلموا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ان فی ذالک لایت لقوم یومنون** ○

(الزمر: 52) کے بیان میں امام فراہی تحریر کرتے ہیں:

مع کد کم و کید کم بسط الرزق ترزقون بمشیتہ اللہ ففی ذالک ایتہ انہ ھو الوکیل علی کل شئی ولہ مقالید السموات والارض ثم ھو یغفر ذنوبکم جمیعا فلا حاجتہ الی الانداد و الشفعاء ثم فی ذالک ایتہ علی انہ جعل القدر لکل شی فلا بد ان للدنیا اجلا ولھذا الیوم غدا" - ثم فی ذلک ایتہ علی انہ الرازق فلا یترکھم سدی ولا بد ان یحاسبھم

"تمہاری چالوں اور چالاکیوں کے باوجود اللہ تعالی نے رزق میں کشادگی دی ہے جس کی مشیت سے تمہیں روزی عطا ہوتی ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے ہاتھوں میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ وہی تمہارے سارے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اس لیے اس کے سفارشی و شریک ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے ہر چیز کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں' اس لیے لازما" اس دنیا کی بھی ایک مدت ہے اور امروز کے لیے فردا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالی ہی رزق دینے والا ہے اس لیے وہ لوگوں کو بیکار نہیں چھوڑے گا اور ضرور ان سے حساب لے گا"۔

نعمت و ثروت امتحان کے لیے ہے:

اسلامی نظام معیشت کا ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نعمت و ثروت امتحان کے لیے دی ہے تاکہ یہ دیکھے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا کفر۔ کسی نعمت کو اپنے علم اور جدوجہد کا ثمرہ سمجھنے کی وجہ سے ظلم و تعدی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ملک و مال پر غرور کے نتیجہ میں استعلاء اور فساد فی الارض کو بڑھاوا ملتا ہے۔ سورۃ القصص کی آیت **تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا**

یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین کی تفسیر میں مولانا فراہی لکھتے ہیں:

ھدی الی امر عظیم من صلاح النفس وفسادھا و قد خفی علی الناس وقد ھلک بجھلہ الراد والسم و ضرب مثلا من فرعون و قارون و اعلم ان ارادۃ العلو فی النفس ھی بذر الفساد فی الارض وھو کل ظلم وجبریۃ وانما ینشاء من رویۃ النعمۃ التی ھی بلاء من الرب لیتحرج بہ شکرا من العبد او کفرا- فمن راھا من الرب و شکرہ فقد اھتدی بھا ومن راھا من علمہ وجدہ فقد ضل و طغی

"نفس کے بناؤ بگاڑ کے سلسلہ میں ایک نہایت عظیم شے کی طرف رہنمائی ہے' جو اکثر لوگوں سے مخفی رہی اور جس سے غفلت کی وجہ سے افراد اور قومیں تباہی کا شکار ہوئیں- اس کی وضاحت کے لیے فرعون و قارون کے واقعات سے مثال بیان کی- اس حقیقت سے باخبر رہنا چاہئے کہ نفس میں بڑے پن کی خواہش ہی زمین میں فساد کی جڑ اور تمام تر ظلم و زیادتی کی وجہ ہے اور یہ چیز نعمت الٰہی کی طرف انسان کے رویہ پر منحصر ہے جو کہ خدا کی طرف سے آزمائش کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ دیکھے کہ بندہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا' چنانچہ جو اسے خدا کا عطیہ سمجھتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ راہ یاب ہوتا ہے اور جو اس کو اپنے علم اور اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھتا ہے وہ گمراہی و سرکشی میں مبتلا ہو جاتا ہے"-

تعاون و تناصر پر مبنی معاشی نظام:

قرآن کی رو سے انسانوں کے درمیان حالات و درجات کے تفاوت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و تناصر سے کام لے کیونکہ اصل کامیابی و کامرانی آخرت کی ہے جو متقین و محسنین کے لیے مقدر ہے- سورۃ الزخرف آیت 32 کی تفسیر میں مولانا فراہی رقم طراز ہیں:

تفاوت الدرجات لمصلحۃ التعاون فی اعمال بھا العروج فی التمدن

ترجمہ: درجات میں تفاوت کی حکمت یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ان کاموں میں تعاون کر سکیں جن پر تمدنی ترقی کا انحصار ہے-

مزید فرمایا:

ولکن جعل الناس امۃ واحدۃ خلاف مصلحتھم فقسم الرب معیشتھم علی حکمۃ بھا یکون قیامھم بالتعاون فالکفار متمتعون کما قال (بل متعت ھو لاء وآباءھم ______ الایۃ) **ولکن متاع الدنیا قلیل والعاقبۃ للمتقین**

"تمام لوگوں کو ایک طرح کا بنا دینا ان کی مصلحت کے خلاف تھا اس لیے رب نے ان کی دنیوی زندگی کے سازوسامان کو حکمت کے ساتھ ان میں تقسیم کیا جس میں ان کی بقا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے ذریعہ ہی ممکن ہے- یہاں کفار مزے کرتے ہیں جیسا کہ ایک

جگہ ایک نبی کی زبانی ارشاد ہے کہ اے خدا صحیح یہ ہے کہ تو نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو نوازا ہے"- لیکن متاع دنیا چند روزہ ہے- انجام کار کی کامیابی متقین کے لیے ہے-

خاتمہ کلام:

اس طرح جہاں ایک طرف مولانا فراہیؒ نے سرمایہ دارانہ نظام کے لبِ فاسد' ہر طرح کے سود' پر ضرب کاری لگا کر اسے قرآنی نظام صدقات کی ضد اور فساد فی الارض قرار دیا' وہیں اشتراکیت کو قرآنی نظام تقسیم اور تسخیر و تعاون پر مبنی انسانی فطرت سے بغاوت سمجھا- ان دو باہم متحارب و متغالب نظامہائے معیشت کو رد کرنے کے بعد ان کی تحریروں سے ان کا اقتصادی مسلک جو سامنے آتا ہے اسے قرآنی اقتصادی نظام کہنا زیادہ مناسب رہے گا- جیسا کہ آغاز کلام میں عرض کیا گیا' علامہ فراہی نہ تو ماہر معاشیات تھے اور نہ ہی انہوں نے معاشی موضوعات پر قلم اٹھایا لیکن مطالعہ قرآن کے دوران انہوں نے معاشی نکات پر جو جستہ جستہ فقرات لکھ دیئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ اس طرف توجہ فرماتے تو اس وقت ہمارے سامنے قرآنی معاشیات کا ایک بہترین مرقع موجود ہوتا- **وفوق کل ذی علم علیم**

(بشکریہ: علوم القرآن علی گڑھ)

بقیہ: سورہ کے اجزاء

ہیں اوپر بیان ہوئے ہیں- اس آیت کے استفہامی اسلوب میں متعدد نکتے پوشیدہ ہیں' مثلاً"

1- اس سے اس کلام کی عظمت و منزلت اور تبلیغی اعتبار سے اس کی جامعیت واضح ہوتی ہے-

2- مکذبین کے ایمان کی طرف سے ناامیدی مترشح ہوتی ہے-

3- اس میں ان کے انکار پر ملامت ہے-

4- آیت کے موقع سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ اتمام حجت کے بعد اب یہ داعی کی طرف سے آخری بات ہے-

(ج) سورہ عبس کی پہلی 37 آیات میں انسان کے فقر و احتیاج اور اس کے کفر و فجور اور استغنا کی برائی بیان کرنے کے بعد آخری پانچ آیات میں دو فریقوں یعنی ارباب خشیت، تقوی اور اہل کفر و فجور کے مال و انجام کے بیان پر سورہ کو ختم کیا ہے- انہی کے بیان سے سورہ شروع بھی ہوئی تھی-

تبصرہ کتب

سقراط

مصنف : ڈاکٹر منصور الحمید
قیمت : 120 روپے
ملنے کا پتہ: دار التذکیر' حمید سنٹر' 9- رائل پارک' لاہور

علمی تحقیق و جستجو میں غیر معمولی انہماک اہل مغرب کا خاصہ ہے۔ لیکن ہمارے ہاں جس طرح دوسرے دائروں میں قوم زوال پذیر ہے اسی طرح علمی تحقیق و جستجو سے بھی اسے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ اہل مغرب نے اپنی تہذیب میں ہی دلچسپی نہیں لی بلکہ مشرقی ادیان' مشرقی تاریخ اور اہل مشرق کے رسم و رواج تک کو بھی اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا اور بے حد محنت سے کئی مستند کتابیں تصنیف کروالیں۔ ہمارے ہاں تحقیقی کام ہوا بھی تو اپنی قوم و ملت ہی کے دائرہ تک محدود رہا۔ اس سے باہر نکل کر دوسری اقوام کو سمجھنے کی ہم نے بالکل کوشش نہیں کی۔ زیر نظر کتاب اس علمی جمود کو توڑنے کی ایک خوشگوار کوشش ہے۔

سقراط یونان ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانی کا ایک ایسا لازوال کردار ہے جس کی تب و تاب تین ہزار سال بعد بھی اسی طرح قائم ہے جیسی پہلے تھی۔ فاضل مصنف نے اس غیر معمولی شخصیت کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور سقراط کو جس انداز سے دیکھا ہے شائد اس سے پہلے کسی مصنف نے اس کو نہ دیکھا ہو۔

فاضل مصنف نے حیات سقراط کے مکمل ماخذ کی چھان بین کی ہے جو یقیناً" بڑا صبر آزما کام تھا۔ انہوں نے اخذ کردہ معلومات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ انہوں نے قدیم یونان کے دینی' تاریخی اور فکری پس منظر اور سقراط کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک حصہ میں سقراط کے دردناک انجام کی روداد' جو افلاطون کی زبانی دنیا کو معلوم ہوئی' سنائی ہے۔ انہوں نے سقراط کے مخصوص طرز تعلیم کو نمایاں کیا ہے اور اس کے مکالمات کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں فاضل مصنف نے انتہائی جرات سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سقراط کی باتیں اور اس کی تعلیم پیغمبرانہ شان رکھتی ہے۔ ایسی باتیں وحی کے واسطہ کے بغیر کہنا ناممکن ہے۔ ایک ایسے ماحول میں جس میں ہر مغربی مصلح و دانشور کو ملحد سمجھا جاتا ہو تحقیق کا یہ نتیجہ بیان کرنا بڑی جرات مندی کا کام ہے۔ بلاشبہ سقراط کا نبی ہونا بعید از قیاس نہیں کیونکہ دنیا کی کوئی سرزمین اللہ کے دین کی طرف بلانے والوں سے بالکل خالی نہیں رہی۔

کتاب کا معیار تحقیق جس قدر اچھا ہے اسی قدر اس کی طباعت بھی بہت عمدہ ہے۔ معیاری کاغذ

بقیہ صفحہ 5 پر

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		روپے پیسے
1	مجموعہ تفاسیر فراہی	۲۴۰-۰۰
2	حکمت قرآن	۰۰-۰۰
3	اقسام القرآن	۰۰-۰۰
4	ذبیح کون ہے	۰۰-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1	تدبر قرآن : (۹ جلد)	۲۱۶۰-۰۰
	(فی جلد) :	۲۴۰-۰۰
2	مبادی تدبر قرآن	۷۵-۰۰
3	مبادی تدبر حدیث	۶۳-۰۰
4	حقیقت شرک و توحید	۹۰-۰۰
5	حقیقت نماز	۳۹-۰۰
6	حقیقت تقویٰ	۳۹-۰۰
7	تزکیہ نفس : جلد اول (شائع کردہ مکتبہ ....)	۰۰-۰۰
	جلد دوم :	۷۵-۰۰
8	دعوت دین اور اس کا طریق کار	۷۸-۰۰
9	اسلامی قانون کی تدوین	۵۱-۰۰
10	اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
11	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۵۱-۰۰
12	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۷۵-۰۰
13	قرآن میں پردے کے احکام	۱۰-۰۰
14	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۷۸-۰۰
15	تفہیم دین	۶۳-۰۰
16	مقالات اصلاحی : جلد اول	۹۹-۰۰
	جلد دوم :	۰۰-۰۰
	جلد سوم :	۰۰-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

122 ۔ فیروز پور روڈ' اچھرہ لاہور ۔ 54600 ۔ پاکستان ۔ فون: ۰۴۲-۷۵۸۰۸۰۰